یا وارث

حق وارث

حیاتِ اکمل رح

المعروف

حافظ پنجابی

باہتمام حضرت حاجی فقیر عزت شاہ وارثی مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ)

کتاب کا نام ——— حیات اکملؒ المعروف حافظ پنجابی

ملنے کا پتہ ——— آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف

حضرت حاجی حافظ فقیر اکمل شاہ وارثیؒ

چھپر شریف ڈاک خانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی (پاکستان)

ناظم اشاعت ——— ابرار یوسف وارثی

تاریخ اشاعت ——— 7 مارچ 2002ء

تعداد ——— 1000

حاجی شہزاد وارثی وارثیہ پرنٹنگ پریس گوجر خان

فون: 0571-512048

پیش لفظ

حرم جویاں درے را می پرستند
فقیہان دفترے را می پرستند
بر افگن پردہ نامعلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

مسلمانوں کے فکر و عمل کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس پر تصوف سے زیادہ تنقید و تبصرہ کیا گیا ہو۔ ماخذ سے لے کر مقاصد اور اثرات تک اس کے ہر ہر پہلو پر انتہائی شد و مد کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ناقدین نے صرف اس کے سرچشموں ہی کو غیر اسلامی بتانے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اکثر امراض کا باعث اس کو قرار دیا ہے۔ کشمکش حیات سے گریز راہبانہ زندگی' اتباع شریعت سے انحراف غیر اسلامی فکر و کردار غرض طرح طرح کے الزامات تصوف اور صوفیائے کرام پر عائد کئے گئے ہیں۔ بعض ناقدین نے تو اپنے لہجے میں اس قدر سختی پیدا کرلی ہے کہ صدق و انصاف کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ انہوں نے تاریخی حقائق سے چشم پوشی کر کے یہاں تک کہ کہہ دیا ہے کہ تصوف اسلام کے رخ روشن پر ایک بدنما داغ تھا یا ہے۔ اگر یہ الزامات صرف

صوفیاء عظام اور مسخ شدہ تصوف پر ہیں تو ان کی صداقت میں کلام نہیں۔ لیکن اگر بلا استثناء تصوف اور صوفیاء کرام پر ہیں تو غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ حقیقی تصوف مذہب کی روح اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت ہے۔ اور سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ تاریخ تصوف کی ہر کتاب ہر دور میں اس کی گواہی کے لئے کافی ہے۔ صفحے کے صفحے تاریخ تصوف کے الٹتے جایئے۔ صرف زبان ہی سے نہیں' عملاً" کتاب و سنت کی تلقین ملے گی۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔۔

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزل ہا

حضرت نصیر الدین" روشن چراغ دہلوی ایک ہدایت میں فرماتے ہیں "مشرف پیر حجت نمی شود دلیل۔ از کتاب و حدیث می باید" یعنی شیخ کا طریقہ کار حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دلیل قرآن و حدیث سے ثابت ہونی چاہئے۔

حضرت جنید" بغدادی ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں "ایں کتاب ایں راہ کسے باید کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بر دست چپ دو روشنائی ایں دو شمع می رود' تانہ در مغاک شبہات افتد نہ در ظلمت بدعت" (ترجمہ) یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو' بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو۔ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے' تاکہ نہ تو شبے کے گڑھوں میں

گرے نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

حضرت شیخ ابوالحسن" علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش" روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو لازمی قرار دیتے ہوئے' اتباع شریعت کی ایسی تعریف فرماتے ہیں کہ اجمع امت کا اتباع بھی اس کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے' قرآن میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسرا رکن سنت ہے۔ جیسا کہ فرمایا جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع فرمایا ہے۔ اس سے بچو اور تیسرا رکن اجماع امت ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ اختیار کرو سواد اعظم کو۔ کہاں وہ کتاب و سنت سے بے توجہی کا الزام اور کہاں اجماع امت کی تلقین حقائق سے بے اعتنائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مشائخ نے جگہ جگہ اپنے متعلقین اور مریدین کو ہدایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی زندگی کو شریعت و سنت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیا صافی کا ہمیشہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ جس عمل کو کتاب و سنت رد کر دیں وہ زندقہ ہے۔ جس شخص کو زندگی شریعت و سنت کے مطابق نہیں۔ اسے صوفیا کے طبقے میں شمار ہی نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے عمل کو تمام صوفیا کا عمل تصور کر کے تصوف پر تنقید کی جائے۔ پھر کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تصوف جہلاء کا مسلک تھا اور صوفیہ کرام علم دین سے نابلد تھے۔ مشائخ کے حالات کا سرسری مطالعہ بھی اس الزام کی نوعیت

دریافت کرنے کے لئے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز پر ان بزرگوں نے سب سے زیادہ زور دیا وہ علم ہی تھا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ "پیر آنچناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد۔ چوں ایں چنیں باشد او خود' ہیچ نا مشروع نہ فرماید"۔ پیر ایسا ہونا چاہئے کہ احکام شریعت طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو خود کسی نہ مشروع چیز کے لئے نہ کہے گا۔ تاریخ چشت گواہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہی" کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم باعمل نہ ہو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے۔

علامہ ابن جوزی تصوف کے حامیوں میں نہیں تھے۔ لیکن ان کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔ **وما کان المتقدمون فی التصوف الا روسا فی القرن والفقہ والحدیث والتفسیر** قدمائے صوفیاء کرام پر ایک عام الزام رہبانیت کا ہے۔ لیکن الزام لگانے والوں نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ جس چیز کو صوفیہ نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی' دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس کائنات کی ایک ایک چیز سے مستفید ہو لیکن اس طرح دنیا کی محبت اس کے دل کو آلودہ نہ کرنے پائے۔ جب جان دینے اور اس کی لذتوں سے دستبردار ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑے گویا بھوکے کو غذا کی اور پیاسے کو پانی کی پکار

سنائی دی۔ اس کی زندگی کا مرکز و محور رضائے خداوندی بن جائے اور اس کے قلب کی بے چین دھڑکنیں صبح و شام پکارنے لگیں۔

مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند۔ مثلاً لنگوتہ بہ بندد و بنشیند ترک دنیا آں است لباس بپوشد و طعام خورد و آنچہ می رسد روا بداود و مجمع او ہل نہ کند و خاطر را متعلق چیز ندارد ترک دنیا است"۔ (ترجمہ) ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی چیز پہنچے اسے روا رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے۔ ترک دنیا یہ ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں، فقیر وہ نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ متاع اور توشہ سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مراد سے خالی ہو۔ اگر یہ رہبانیت ہے تو پھر یہ طے کرنا ہو گا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔ شاید حقائق سے اس بے اعتنائی کا ثبوت کبھی نہیں دیا گیا۔ جتنا یہ کہ صوفیائے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ روح پھونکی ہے اور زوال اور انحطاط کے زمانہ میں تجدید کے راستے تلاش کئے ہیں

اور یہ ہی ان کے کارناموں کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کا اب تک تعصب اور تنگ نظری سے الگ ہو کر جائزہ نہیں لیا گیا۔ تاریخ کے طلبا نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدان سیاست و جنگ سے ہی عبارت ہو کر رہ گئی ہے گویا حکیم ثنائی کا یہ دعوت نامہ ان کے کانوں تک نہیں پہنچا۔ اے کہ شنیدہ صفت روم و چیں۔ خیز و بیا ملک ثنائی بہ بیں۔ مذہبی تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح کہ ان بزرگوں کے اصلی خدوخال ہی چھپ گئے۔ اور ماحول کے صحیح پس منظر کے ساتھ نہ ان کو دیکھا جا سکا اور نہ انسانیت کی سطح پر ان کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کی سوانح حیات کے حالات بنی نوع انسان اور ملت ضروریات کے آئینہ میں دیکھے جائیں تاکہ ان کے صحیح خدوخال نمایاں ہو سکیں۔ کیا ان اسباب کا تجزیہ ممکن نہیں جنہوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مشرقی پروفیسر ایچ اے آر گب (H . A . R . GIBB) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ و مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی امداد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

پروفیسر گب کی رائے سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیا کرام کے کارنامے یقیناً اس نظر سے خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا ہے تو ان ہی بزرگان دین بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور ان کا دماغ تجدید اور احیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا ہے۔ اسلامی سوسائیٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی پرخلوص جدوجہد کی تھی۔ حقیقت میں اس حکم خداوندی کی تعمیل کہ **ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر یا مرون بالمعروف و ینھون عن المنکر** اور تم میں سے ایک وقت ہونا چاہئے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے۔ ان ہی کے ذریعے اسلامی تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ ان بندگان خدا نے کس طرح **یدعون الخیر** اور **ینھون عن المنکر** کی خدمات انجام دی ہیں۔ جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا تو بزرگان دین مادیت کے سیلاب کو روکنے میں لگ گئے۔ جب سیاسی نظام درہم برہم ہوا تو مذہبی انتشار کے خلاف لڑنے لگے۔ جب قوم کا اخلاقی مزاج بگڑا ہوا پایا تو انہوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو ابھارنے میں صرف کر دیں۔ میر خورد نے کیا سچی بات فرمائی ہے۔ وہ خدا کے دین اور پیغمبر علیہ السلام کی سلطنت کے لئے مضبوط قلعے تھے۔

کوئی انسانی تحریک خواہ وہ کتنی ہی اچھی نہ ہو جب افراط و تفریط عمل و رد عمل کا بازیچہ بنتی ہے تو اس کی شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ فقہ اسلامی کی تدوین نے مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو سنوارنے میں عظیم الشان کام

کیا، لیکن جب اس کو حیلہ بازیوں اور مکاریوں کا ذریعہ بنایا گیا تو مسلمانوں کی عملی زندگی بالکل بے روح ہو کر رہ گئی۔ متعلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد سے بچانے میں بڑی خدمت کی لیکن جب علم کلام نے شبہات و شکوک پیدا کرنا اپنا مقصد بنا لیا تو مسلمانوں کی ذہنی زندگی میں بڑا خلاء اور انتشار پیدا ہوا۔ یہی حال تصوف کا بھی ہوا۔ جب باطنی زندگی کو ظاہری زندگی سے الگ کیا گیا تو شریعت طریقت کی تفریق پیدا ہو گئی۔ دنیا پرست سے گریز کو انسانیت کی شکل دے دی گئی۔ مجاز پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، نغمہ و سرود کو روحانی ترقی کا لازمی جزو قرار دے دیا گیا۔ بے شک یہ سب گمراہیاں تصوف میں پیدا ہوئیں لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صوفیہ صافی نے ہمیشہ ان گمراہیوں کے خلاف آواز بلند فرمائی ہے اور ان نامساعد عناصر کو خارج کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ مغربی تعلیم ہی کسی کو ترقی کی چوٹی پر نہیں پہنچا سکی۔ اگر ایسا ہو تو آج یہ رونا کیوں ہوتا اور قوم کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی کیوں رہ جاتی۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانان ہندو پاکستان کو وہ کون سا عمل اختیار کرنا چاہئے کہ ان کی پستی رفع ہو اور وہ دنیا میں ایک معزز قوم کے زمرہ میں شمار ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مکمل قانون بنا دیا ہے جس میں بچپن سے لے کر آخر زندگی تک مختلف مدارج کے لحاظ سے ہر ضروری حکم موجود ہے مگر بد نصیبی سے ہم اس سے عموماً ناواقف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا کوئی کام، قرینہ اور ڈھنگ سے انجام ہی نہیں پاتا اور سچ پوچھئے تو اب بے دست و پا ہو رہے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی قانون پر ہمارے اسلاف نے عمل کیا تو دولت و عزت میں ان کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہ تھا اور جب سے اس قانون کی حدود سے باہر ہم نے قدم رکھا' ہم ہر لحاظ سے روز بروز گرتے چلے گئے اور گرتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ ہسپانیہ سے ہمارا نام و نشان مٹا کیوں بے علمی کی وجہ سے یورپ سے صدیوں حکومت کرنے کے بعد بڑی بے توقیری سے نکالے گئے۔ کیوں بے عمل قرآن و سنت سے غفلت کی وجہ پاکستان و ہندوستان میں مسلمان کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے' ظاہر ہے۔ تجربہ بتا رہا ہے کہ اس پر عمل کے بغیر قوم کا بیڑا منجدھار سے صحیح سلامت نہیں نکل سکتا اور نہ ہم دنیا میں کسی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ نہ ہماری آخرت درست ہو سکتی ہے۔ نہ ہماری آئندہ نسلیں سعادت مند اولاد بن سکتی ہیں۔ نہ فرض شناس والدین نہ اچھے میاں بیوی' نہ حاکم نہ تاجر نہ قاضی' نہ مفتی نہ ملا نہ روحانی پیشوا نہ بہادر سپاہی نہ سچے لیڈر نہ تو ہم میں ہمت آ سکتی ہے۔ نہ جوانمردی' نہ شجاعت نہ گھر میں چین و سکون یک بے تابی کی زندگی ہے جو ہمارا نصیب ہو کر رہ گئی ہے۔ کیوں؟ سوچئے تو معلوم ہو جائے گا۔ جب تک ہم حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون قرآن و سنت پر عمل نہیں کرتے۔ صاحب نظر باکمال بزرگان دین سے معانقہ نہیں کرتے۔ ان کے حضور زانو تلمذ تہ نہیں کرتے۔ سوز و گداز کی میراث جب تک ان کے حضور سے ہمیں نہیں ملتی۔ یا دانست قرآن و سنت کی روشنی نہیں ہوتی۔ اس وقت نہ تو اپنا کوئی کام کامیابی سے چلا سکتے ہیں' نہ اس کا کوئی ذریعہ ہے۔ غرض کہ ہم کچھ بھی کریں۔ جب تک حضور شہنشاہ دو جہاں سرور عالم علیہ السلام کی

تقلید ہمارا سرمایہ نہیں بنتی' محبت عشق جب تک ہمارے قلب کی جاگیر نہ بنے۔ ہم مایوس و ناکام رہیں گے۔

اس کے لئے تصوف و معرفت کے اصل تاجدار جو ہیں ان کے حضور غلامی اختیار کرنا ضروری ہے۔ انہیں کی محفل و مجلس ہمیں سلیقہ محبت و عشق کے سوز و گداز کے مراحل سے گزار سکتی ہے۔ اسی کی تابعداری غلامی صراط مستقیم پر چلا سکتی ہے۔ یہ آنکھیں بند کر کے چلنے کا نہیں بلکہ آنکھیں کھول کر آنکھوں میں جب تک محبت و سوز و گداز کی روشنی نہ آ جائے راہ مستقیم کو حاصل کرنے کے لئے جب تک تم آنکھوں اور قلب کو سیر کراتے ہوئے اصل خوراک مہیا نہ کریں' منزل مقصود تک پہنچنا محال ہے۔ زبانی جمع خرچ سے اسلام سے کچھ نہیں بنتا۔ اسلام ایک عملی زندگی کا نام ہے۔ عملی زندگی تصوف معرفت جس میں قرآن و سنت ہے۔ اس میں سے میسر آ سکتی۔ جس طرح ایک مطالعہ کے بعد ثابت ہوا کہ حضور سرکار عالم پناہ وارث ارث علی جو چھیسویں پشت امام عالی مقام سید السادات شہید اعظم سرور کونین نواسہ تاجدار انبیاء شہید کربلا ہیں۔ جس کی دنیا میں آمد سے پانچ پشت قبل کائنات میں نوید پہنچا دی گئی تھی کہ پانچویں پشت میں تصوف کا وہ روشن چراغ عشق و محبت کا وہ تاجدار ذات کبریا کے صفاتی نام کے ساتھ راہ ہدایت کی ایک خاص شمع روشن کئے ہوئے دنیا میں تشریف لائے گا۔ جس کے عقیدت مندوں محبت کرنے والوں کو بغیر اس کے دیکھنے کے کسی ورد وظائف مراقبہ ذکر فکر کی ضرورت نہ ہو گی۔ اس نور واحد کی صورت جو جمال اول اور آخر ہے خاص پرتو سے بھرپور ہو گی۔ کائنات عالم کو راہ مستقیم کے لئے انسان کو ایک نیا شعور عطا فرمایا۔ لہٰذا اس

محبوب صورت نے مذہب و ملت کی تمیز ختم کر کے انسان جو نسل آدم علیہ السلام ہے۔ اسے خاص محبت و اخلاق کی تعلیم سے نوازا۔ سرکار سیدنا و مرشدنا و مولانا حاجی سید وارث علی شاہ صاحب قبلہ و کعبہ کی آمد کا پیغام قبل از وقت بے شمار بزرگوں نے خاص طریقہ سے اظہار فرمایا۔ جو طوالت کے پیش نظر مکمل لکھنا تو مشکل ہے، تھوڑا سا لکھ دیتے ہیں۔

حیات وارث میں محترم بزرگوار جناب ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثیؒ جو سرکار عالم پناہ کے حضور مقبول تھے۔ عرصہ دراز خدمت میں گزارا اور بے شمار پرانے لوگوں سے مل کر مطالعہ کیا، یوں فرماتے ہیں "مقربین بارگاہ احدیت کی ولادت باسعادت کی بشارت اکثر مقدس اور ابرار حضرات دیتے ہیں جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ ان کی آمد آمد کا منجانب ذات کبریا اعلان ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا ہمارے حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کا تذکرہ سیکڑوں برس پہلے اولیائے عظام نے اپنے اپنے وقت میں فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ بکمال شرح و بسط حضور کے صفات و برکات کے ساتھ آپ کے مسلک و مشرب سے بھی خلق کو خبردار کر دیا ہے۔ جن پیشین گوئیوں کو مولفین سیرت وارثی تحریر فرما چکے ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ بانسوی قدس سرہ العزیز کی پیش گوئی اور حضرت شاہ نجات اللہؒ کا کشفی ارشاد اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مولد لکھنویؒ کی بشارت کو مناسک و وضاحت کے ساتھ صاحب مشکوۃ حقانیہ نے لکھا ہے۔ لہٰذا ضرورت نہیں۔ تھوڑی وضاحت کر لیتے ہیں۔ سید ناظم علی صاحب رسول پور کستوری ضمیمہ سید السادات قلمی میں تحریر فرماتے ہیں، جو اس نادار نے خود مطالعہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم وارث ارث علی کے جد امجد

میراں سید احمد علیہ الرحمتہ ۱۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور جب والد بزرگوار سے کتب درسیہ میں فراغ حاصل کیا اور قصبہ دیوی شریف میں جو اس وقت دارالعلوم تھا سلسلہ درس و تدریس جاری فرمایا۔ اور چونکہ صاحب حقائق و معارف تھے۔ اس لئے بہ نظر ہدایت باب علوم طریقت کشادہ تھا اور طالبان حق کو رموز حقیقت سے مستفیض فرماتے تھے۔ ایک روز ممدوح الصفات دولت کدے کے قریب برلب تالاب چند یاران طریقت سے گرم سخن تھے کہ ایک صاحب باطن درویش نے قریب آکر کہا "**السلام علیک و علی ارث الذی فی صلبک ان اللہ تبارک تعالی قد نور سمالم بنورہ والرنی الارض بظہورہ نطوبی لکم یا سیدی**"۔ میراں سید احمد فرمود آرے می بینم شمیم مشکبارش در چمنستان عالم منتشر و ضیائے حسن و جمالش چوں مہر تاباں و نشر۔ حاضرین صحبت متفسر حال ہوئے کہ ہم کچھ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس بزرگ درویش نے کس فرزند ارجمند کی آپ کو بشارت دی اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اگر مضائقہ نہ ہو تو اس اسرار سے ہم کو بھی خبردار کیا جائے۔ میراں سید احمد فرمود کہ حق تعالیٰ مرا فرزندے کرامت فرمود کہ در صلب پنجم و صلب من ظاہر خواہد شد الحق اور نور دیدہ میراں سید احمد است و جگر بند میران سید احمد است کہ اعداد اسم پاکش بہ ہمیں ہر دو کلمہ بیرون آہند و اسم او از یکے اسم ذات است و صفات اور بیرون از حدود است مقام علویش پایاں ندارد و نظام سلوکش کہ بے شمار در شخصیت در شبستان مصطفوی و سرویست از گلستان مرتضوی فقر کاشانہ او و سراست خمخانہ او نیستان عشق را شیر ببر تاجدار اقلیم رضا و صبر در عہد خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد گبر ترسا یہود و نصاریٰ مسلم و

مشرک بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ ہر کسے را بمرادش خواہد رسانید در اقطار عالم ہر گوشہ کہ می بینم نشانش می یابم رہروان منزل تفرید سالکان وادی تجرید عزلت نشیناں بساط طریقت غواصان قلزم حقیقت بادہ نوشاں میخانہ محبت سرمستان خمخانہ مودت عقدہ کشایاں اسرار معرفت مسند نشیناں کاخ مکرمت شہسواراں سیدان ابتلا سر حلق گان مکتب ولا نظر بازان منزل ناسوت را زواران انجمن ملکوت سرفروشان میدان جبروت مدہوشان بام لاہوت ہمہ حلقہ بگوش آں بادہ فروش خواہند شد۔

حضرت میراں سید احمد قدس سرہ العزیز کا یہ مکاشفہ جو آپ کی قوت روحانی کی بین دلیل ہے اور جس کو صحیح معنی میں حضور قبلہ عالم کی ولادت باسعادت کا مژدہ اور آپ کی عظمت و جلالت کا جلی خط میں اعلان کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ لیکن اس مرد خدا رسیدہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے آکر میراں سید احمد سے کہا **السلام علیک و علی ولاک الذی فی صلیک** اور میراں سید احمد علیہ الرحمتہ کے ان یاران طریقت کے ہم شکر گزار ہیں جن کے استفسار سے سید صاحب ممدوح الشان نے اپنے اس مکاشفہ کو بکمال وضاحت اظہار فرمایا۔ واقعی مردان حق کا کلام بھی حق ہوتا ہے۔ میراں سید احمد علیہ الرحمتہ نے جو فرمایا تھا کہ اس کا بہ ہمہ قیود و صفات ظہور ہوا کہ آپ کی پانچویں پشت میں بایں سلسلہ کہ آپ کے صاحبزادہ سید کرم اللہ اور ان کے فرزند سید سلامت علی اور ان کے نور دیدہ سید قربان علی شاہ اور ان کے لخت جگر سیدنا وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہ منصفہ شہود پر جلوہ افروز ہوئے جن کا وجود باجود اہل علم کے لئے عین رحمت خداوندی ہے جیسا کہ اس برگزیدہ مرد خدا نے فرمایا

تھا کہ **واشرق الارض نظر و فطوبی لکم یا سیدی**۔ لیکن نظر عائر دیکھا جائے تو جس طرح یہ مکاشفہ جامع اور معنی خیز مشرح اور مضبوط ہے اسی طرح یہ بشارت ایک ذات کے لئے مفید اور محدود بھی اس قدر ہے کہ دوسری ذات کے ساتھ تاویلاً" بھی منسوب نہیں کر سکتے اور چونکہ میراں سید احمد علیہ الرحمتہ کی مقدس صفات ایک مالک کی ذات ہے اور جامع فضل و کمالات تھی لہٰذا آپ کا مکاشفہ بھی لطائف و معارف کا مجموعہ ہے۔ مصداق کلام الملوک ملوک الکلام۔ آخر میں میراں سید احمد علیہ الرحمتہ نے اپنی پیشین گوئی کو اس مضمون پر ختم فرمایا کہ وہ نور نظر ایسا وحید العصر اور جلیل القدر ہو گا کہ اس کے ہم عصر مقربین بارگاہ احدیت اس کی رفعت و عظمت کا اقرار کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قبلہ عالم کے مراتب علیہا کا مشہور و معروف اہل حقائق و معارف نے اعتراف فرمایا۔ حضور کے دور کے ہر شیخ طریقت و معرفت نے اقرار کیا کہ حضرت قبلہ عالم کی ذات میدان فقر میں سلطان ہے۔ حضور قبلہ میاں حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی جن کا اب دیرینہ غلاموں اور قدیم فقراء میں شمار ہے کیونکہ آپ ۱۳۱۲ ہجری سے احرام پوش ہیں اور عرصہ دراز تک مستقل طور پر اس خدمت کے لئے مامور رہے کہ غلامان وارثی کے عرائض کا جواب نگارش کرتے تھے۔ سیاحت کے دور میں انبالہ جاتے ہوئے حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سائیں صاحب قبلہ نے جن کا عارفین وقت میں شمار ہوتا تھا۔ شاید احرام سے پہچان لیا اور فرمایا "رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دا اور حاجی صاحب دا فیض ساڈے اپر اوندا ہے"۔ اور میرے ساتھ خاص شفقت فرمائی۔ اس طرح کے بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علمائے کرام فرنگی محل مولانا عبدالوہاب فرنگی محل مولانا عبدالغفار قدس سرہ فرنگی محل مولانا عبدالرؤف صاحب فرنگی محل یہ اس دور کے جید علمائے کرام تھے جو فقیروں اور درویشوں کے قائل نہیں تھے۔ مگر قبلہ عالم کی محفل میں جاتے اور سرکار عالم پناہ میں اپنی عافیت کی التجا کرتے اور اپنے خاندان و اولاد کو حضور قبلہ عالم کی خدمت میں لے جاتے۔ بیٹھنے کی ہدایت دیتے۔ اسی طرح شاہ احمد حسین بانسویؒ و مولانا عبدالباری صاحب مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ حضرت میاں شیر محمدؒ شاہ صاحبؒ (پیلی بھیت والے)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے متعلق جناب سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی نے انگریزی زبان میں ایک کتاب میں حضور انور کے حالات میں تالیف فرمائی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مولوی احمد حسن صاحب متوطن ملاداں ضلع بارہ بنکی کے بھائی کا واقعہ ہے کہ جب وہ حج کو جانے لگے تو حضور انور کی خدمت عالی میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور انور نے ان سے ارشاد فرمایا "میرا سلام حاجی امداد اللہ صاحب سے کہنا وہ ایک وقت میرے ساتھ تھے۔ اب مکہ معظمہ میں رہتے ہیں"۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ کا سلام پہنچایا تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب پر ایک خاص اثر ہوا اور ان کے آنسو نکل پڑے۔ جواب میں فرمایا۔ میری جانب سے ہندوستان کے آفتاب سے درخواست کرنا کہ بہبودی کی دعا کریں۔ کیونکہ میرا وقت آگیا ہے۔ جب میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیغام پہنچایا تو حضور انور نے فرمایا حاجی امداد اللہ صاحب خود ولی کامل ہیں' ان کو دعا کی کیا حاجت ہے۔ حضرت مولانا شاہ

سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی راقم الحروف کو تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے فرمایا تھا کہ حاجی سید وارث علی شاہ صاحب سا موحد پھر دیکھنے میں نہیں آیا اور دنیا کو ایسا موحد دوبارہ میسر نہیں آئے گا۔

یہ تو علمائے دین اور مشائخ عظام کا حال تھا کہ سب ہی آپ کی ذات کو تسلیم کرتے اور اپنی اپنی محبت عقیدت کے دم بھرتے تھے۔ اس کے علاوہ دنیا کا ہر مذہب آپ کی ذات پر نثار تھا۔ جو ایک دفعہ سامنے آیا' بغیر عطا کے واپس نہیں گیا۔ چند واقعات تحریر ہیں۔

ہم نے اکثر ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ وہ سرکار قبلہ عالم کی عقیدت و محبت کے بعد اسلام اور طریق اسلام کے شیدائی بن گئے اور درپردہ مسلمان تھے۔ بعض درود شریف اور آیات قرآنی نہایت ذوق شوق سے پڑھتے تھے اور اپنا کیف حاصل کر لیتے تھے۔ اکثر ہندوؤں نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں جن میں ٹھاکر پنچم سنگھ بابو کاشی پرشاد الہ آبادی منشی تلک نرائن صاحب مظفرپوری راجہ سروپ سنگھ تعلقہ دار سابق سورت گنج اودھ بابو موتی لال وکیل بھاگل پوری منشی لکھی نرائن' ٹھاکر بش سنگھ رمیش رامے پور پنڈت شیام لال رئیس گیا جن کا دوسرا نام فضیحت شاہ تھا۔ بابو کہنیا لال وکیل بیس سال تک روزے رکھتے رہے اور صائم الدھر رہے اور توحید و رسالت کا اقرار کیا۔ یہ جوش محبت آخر رنگ لایا اور اسی طرح مندرجہ بالا نام اس آفتاب ولایت کے حسن و جمال بے مثال سے مغلوب ہو کر دین سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اتنے عبادت گزار ثابت ہوئے جس کی مثال ہمارے پاس نہیں۔ حضور میاں قبلہ

حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی بابو کہنیا لال کو ایک خط تحریر فرماتے ہیں۔ جو انہوں نے حضور کی خدمت میں ۱۱ نومبر ۱۹۰۴ء کو لکھا تھا۔ لکھتے ہیں "جناب شاہ صاحب تسلیم آپ سے رخصت ہو کر میں گھر پہنچا۔ دل بے چین اور طبیعت پریشان ہے۔ وجہ دریافت نہ ہونے سے عقل حیران ہے۔ مہربانی فرما کر سرکار میں سلام عرض کریں اور میری جانب سے کہہ دیجئے کہ اب سلگنے کی طاقت نہیں ہے۔ ایسا کرم فرمایئے کہ آگ بھڑک اٹھے اور اس کے ضبط کی قدرت عطا فرمایئے۔ اور دیگر حضار کی خدمت میں علی قدر مراتب تسلیم۔ کہنیا لال وارثی"

اس خط سے سوز و گداز کا خاص ثبوت ملتا ہے کہ وہاں کوئی بھی اہل مذہب خالی ہاتھ نہیں گیا۔ نسل آدم سے کوئی آدمی خواہ کسی مذہب کا ہو۔ اگر قسمت اسے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں لے گئی تو وہ بامراد واپس لوٹا۔ نامراد نہیں آیا۔ اس کی جھولیاں بھر کے واپس روانہ کرنا سرکار عالم پناہ کی فطرت میں شمار تھا۔ دنیا مانگنے والوں کو دینا' محبت مانگنے والوں کو محبت' دینی عمل و فکر مانگنے والوں کو تصوف و معرفت عطا کی۔

روز اول کی عطا جو کارساز نے اپنے محبوب پاک سید و سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسن و جمال صدقہ نسل آدم کے فرمائی اس کی تصدیق سرکار عالم پناہ کے وجود مقدس سے نمایاں اس کائنات میں سامنے آئی جس کے ثبوت بے شمار ہیں۔ رسم دستگیری اس خاندان کا روز اول سے شیوہ ہے۔ لہٰذا حضور قبلہ عالم نے دنیا کے ہر مذہب کی عبادت گاہوں میں ہر مذہب کو نمایاں زیارت بخش کر دستگیری فرمائی۔

جس کا ثبوت تاریخ میں موجود ہے۔ صاحب "عین الیقین" تحریر فرماتے ہیں کہ ایک راجپوت کنچن سنگھ نامی جگت ناتھ جی تیرتھ کو گیا وہاں اس نے جا کر مندر میں دیکھا کہ بت کی جگہ حضور انور جلوہ افروز ہیں۔ حیران و پریشان ہوا۔ اپنے سب ساتھیوں سے دریافت کیا جس کی تصدیق سب نے کی۔ کنچن سنگھ نے سب کو مشاہدہ کرایا۔ جب واپسی ہوئی تو دیوی شریف خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "ٹھاکر جی ہم نہ ہوں گے کوئی اور ہو گا"۔ کنچن سنگھ نے کہا "شہنشاہا! میں نے ہی نہیں دیکھا اور ساتھی بھی گواہ ہیں۔ اگر کہیں تو بلا لیتا ہوں"۔ آپ حضور نے مسکرا کر فرمایا "ٹھاکر جی! اب جگت ناتھ جی نہ جانا"۔ ٹھاکر فوراً مسلمان ہوا اور حضور انور کے دست اقدس پر بیعت ہو کر فیض یاب ہوا۔

ہمارے رہنمائے حقیقت طریقت مرشد برحق سیدنا و مولانا سرکار عالم پناہ وارث پاک اس البیلی شان اور انوکھے انداز سے اس عالم میں نمودار ہوئے کہ جس کی حقیقت سے خبردار ہونا ادراک انسانی سے بالاتر ہے۔ ہر مذہب و ملت ان کی شمع جمال کے پروانے تھے۔ اولاد آدم سے دنیا میں آنے سے قبل بھی فائدہ اٹھایا۔ دستگیری حاصل کی۔ دنیا میں آنے کے بعد کوئی آنے والا یا جس نے جس جگہ یاد کیا اپنے حصے سے محروم نہ رہا۔ بعد از وصال بھی آج تک وہی دستگیری قائم و دائم ہے۔ ہر عقیدت مند اپنے مرشد پاک کی تعریف کرتا ہے۔ یہ فطری تقاضہ ہے مگر سیدنا و مرشدنا سرکار عالم پناہ کی تعریف کائنات کی ہر چیز کرتی ہے۔ انسان تو انسان ہے۔ چرند' پرند' نباتات' حشرات الارض' حیوانات تک جو تائب ہو کر تسلیم کرتے ہیں اور اپنی اپنی زبان میں تعریف بھی کرتے ہیں۔

عقیدت اور پیر مریدی کا کائنات میں ایک نیا شعور سرکار عالم پناہ کی ذات اقدس نے عطا فرمایا۔ جس کی بنیاد فقط اور فقط عشق و محبت پر ثابت کی اور تاریخ تصوف میں ایک باب کا اضافہ فرما کر پہلے اور دور جدید کے مشائخ عظام اور بعد میں آنے والے پیران عظام کے لئے صراط مستقیم آسان اور خوبصورت انداز عطا فرمایا۔ جو حضور سے پہلے تصوف کی تاریخ میں نہیں تھا۔ اول سے لے کر آخر تک خلافت جبہ کی شکل میں یا کلاہ کے انداز میں مشائخ نے اپنے قریبی عقیدت مندوں کو پہنا کر خلافت دے کر اپنے اور سلاسل کو طریقت کے میدان میں جاری رکھا جو اب تک چلتا رہا ہے۔ ہمارے حضور قبلہ عالم نے کلاہ و جبہ خلافت کو دوکاندار کے ہاتھ فروخت کر کے فیصلہ دے دیا کہ یہ خلافتیں جو ظاہر و باطن اور پیر ابن پیر پیدا کرتی ہیں۔ انہیں مسلک عشق سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا اور اپنا لباس اتار کر حرم کعبہ کا مخصوص لباس احرام زیب وجود اقدس دوران حج اختیار فرمایا۔ احرام کے احترام کو زندگی بھر ثابت فرما دیا کہ میں روز اول سے ہی اس مقدس لباس کا حق دار ہوں اور میرے دست قدرت کو عطا ہے کہ اس لباس میں کائنات کی دستگیری کروں جس کا حق واقعی کائنات میں عشق و محبت سے ادا ہوا اور ہو رہا ہے۔ جسے حضور نے اپنے وجود اقدس کا یہ لباس احرام خود اپنے ہاتھ سے عطا فرمایا۔ اس کی کیفیت میں انقلاب برپا فرما دیا۔ وہ دنیا کے کسی دوسرے کام کے لائق نہ رہا۔ انداز دستگیری کچھ ایسے کی کہ ایک نظر سے تعلیم فرما دی اور مجاہدات سے گزار کر اپنے اپنے دور کی باعث رحمت قرار دیا۔ جو بابا فیضو شاہ صاحب قبلہ وارثی حضرت محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی حضرت قبلہ میاں حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی حضرت بیدم شاہ

صاحب وارثی حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب وارثی و الحاج فقیر حیرت شاہ صاحب وارثی و حضرت فقیر انوار شاہ صاحب وارثی کے روپ میں سامنے آیا اور اپنے اپنے دور میں ان فقرا نے سرکار عالم پناہ مرشد برحق کی وضع کو عین شہنشاہ عشق و محبت سلطان معرفت کی طرح ثابت کر دکھایا۔ وارثی سلسلہ کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ سرکار عالم پناہ وارثؒ کائنات سے پردہ فرما گئے یا موجود ہیں۔ ان کے روپ نے ہمیشہ سرکار عالم پناہؒ کا مشاہدہ اہل محبت کو دیا۔ جس کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ میں بیان کرنے سے عاجز ہوں۔ میرا ابتدائی زمانہ یا پیدائش سمجھ لیں۔ وارثی فقرا کی گود میں ہوئی۔ حضرت قبلہ فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی سنگھوئی میں ہمارے گھر میں رہتے تھے۔ میرا بچپن آپ کی خدمت میں گزرا۔ میں نے ہوش سنبھالا تو زرد احرام میں ملبوس فقیر کو دیکھا جو ہر روز صبح سے شام تک ضعیف، جوان اور بچوں کو عطا ہی عطا فرماتے اور محبت ہی کا درس دیتے۔ جس میں کسی حرص اور خواہشات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہی حال میرے گھر کے بزرگ جو رشتہ میں میرے تایا اور باپ بھی تھا جن کے حضور میرے والد صاحب قبلہ اور میری والدہ محترمہ نے پیدائش کے بعد پیش کیا اور نام رکھایا کہ یہ آپ کا ہے۔ آپ ہی اس کا نام رکھیں تو حضرت قبلہ فقیر اکمل شاہ صاحب وارثی نے میرا نام عزیز احمد تجویز فرمایا کیونکہ حضرت کا ایک لڑکا تھا جس کا نام رشید احمد تھا۔ اس کے نام سے میرا نام رشید احمد رکھا۔ میرے والد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب میرے دو لڑکے آپ کے دو لڑکے میرے بڑے بھائیوں کے نام محمد حسین اور زاہد حسین تھے۔ حضرت اکمل شاہ صاحب وارثی کے فرزند ارجمند کا نام رشید تھا۔ میرا نام عزیز احمد رکھ کر اپنی اولاد قرار دیا لہٰذا میں دو

وارثی فقراء حضرت فقیر محبت شاہ وارثی پنجابی اور حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب وارثی کے زیر نظر فیض اثر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت محبت شاہ صاحب وارثی کے وصال تو مراد آباد سہوارہ شریف میں ہو گیا۔ میں اس دور میں ضلع راولپنڈی ساگری ہائی سکول میں زیر تعلیم تھا کہ طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ خلجان پیدا ہوا۔ سکول چھوڑ کر بھاگا اور دہلی شریف، سہارن پور، کلیر شریف سے ہوتا ہوا اجمیر شریف حضور غریب نواز کی حاضری میں پہنچا۔ اس وقت خواجہ سید حسن امام صاحب قبلہ چشتی وہاں موجود تھے۔ قدرتی اتفاق کہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کہاں رہو گے۔ میں نے عرض کیا یہیں رہوں گا۔ لہٰذا مجھے ایک حجرہ دے دیا اور فرمایا درگاہ شریف کی صفائی کیا کرو۔ میں گیارہ ماہ ۲۲ دن تک درگاہ شریف کی جاروب کشی کرتا رہا۔ لنگر ملتا تھا۔ رہنے کی جگہ موجود تھی۔ بے شمار لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ رہا۔ ابوالحسن شاہ صاحب قبلہ وارثی محمود صاحب وارثی، بیدم شاہ صاحب وارثی قبلہ پنڈت الف شاہ صاحب وارثی، پنڈت دیندار شاہ صاحب وارثی کی ملاقات اجمیر شریف میں ہی ہوتی رہی اور میں حضرت اکمل شاہ صاحب وارثی کا پوچھتا رہا۔ گیارہ ماہ ۲۲ دن کے بعد خواجہ صاحب نے صبح صبح اجازت اچانک دے دی کہ آپ کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ آپ کو جانے کی اجازت ہے اور دیوا شریف چلے جائیں۔ کاغذ پر نقشہ بنا کر دیا کہ لکھنؤ جا کر وہاں سے بارہ بنکی پھر دیوا شریف۔ لہٰذا میں حاضر ہوا تو حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب آستانہ عالیہ پر موجود تھے۔ وقت گھڑیال بتا رہے تھے۔ میں سامنے ہوا تو حیران ہو کر دریافت فرمایا "او تم کیسے یہاں آ گئے۔ گھر کے لوگ سال بھر سے پریشان ہیں۔ کہاں رہے ہو"۔ سامنے آستانہ شریف پہ

حضور قبلہ و کعبہ فقیر میاں اوگھٹ شاہ صاحب وارثی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے پوچھا "حافظ جی کون ہے"۔ آپ نے فرمایا "حضور! یہ صوبیدار صاحب کا لڑکا ہے۔ ایک سال سے گم تھا۔ اب یہاں آ گیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "بلانے والے نے بلا لیا۔ اسے میرے پاس بٹھا دو۔ چھوڑو اسے کچھ نہ کہو"۔ مجھے پاس بٹھایا۔ شفقت فرمائی۔ للن حجام کو بلا کر کہا کہ اسے ساتھ لے جاؤ۔ کپڑے بدلی کرو اور گیسو تراشی کر کے غسل کرائیں اور پھر لے کر آؤ۔ لہٰذا للن ارشاد بجا لایا اور پھر اپنے ساتھ لے کر آیا۔ میں نے حضرت کے حجرہ میں رات گزاری۔ صبح حضور اکمل شاہ صاحب بازار سے تبرک لائے اور حضور میاں صاحب قبلہ کے سامنے رکھا کہ اب یہ آ گیا ہے۔ اسے سرکار عالم پناہؒ کے حضور پیش کر دیں۔ غلامی میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا صبح صبح حضور قبلہ میاں اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے مجھے غلامی کے لئے سرکار عالم پناہ کے حضور پیش فرمایا۔ آج تک تعلیم کا پہلا مرحلہ جس کی ابتدا حضور قبلہ و کعبہ میاں اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے فرمائی۔ ابھی تک یاد ہے اور میرے لئے راہ ہدایت اور سرمایہ حیات داخل سلسلہ وارثیہ کے بعد فرمایا۔ یاد رکھنا یہ تمہارے پیر ہیں تم ان کے مرید ہو۔ ہم تم بھائی ہیں۔ کوئی بات پوچھنا ہو مجھ سے دریافت کر لینا۔ ان سے کچھ نہیں طلب کرنا۔ جو دیں وہ لے لینا۔ ازبس یاد رکھو۔ میرے بچپن کا زمانہ، مطالعہ سے نابلند، دن رات سوچتا رہا کہ پیر اچھا پکڑا کہ اس سے مانگو کچھ نہ۔ عجیب سا معاملہ ہے۔ ایک احرام پوش ضعیف العمر مجھے اپنا بھائی کہتا ہے۔ میری سمجھ سے باہر تھا اور میں رات بھر سوچتا رہا۔ صبح ناشتہ کا دستر خوان بچھا۔ بلایا گیا۔ دستر خوان پر ہی حضور میاں صاحب قبلہ نے فرمانا شروع کر دیا۔ کہ آج

کل لوگ ابتدا میں اگر سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ پیر اچھا پکڑا کہ مانگو کچھ نہ۔ جو دیں وہ لو۔ مگر یہ نہیں سوچ سکتے کہ جو مانگ کر لو گے اس کے خود ذمہ دار ہو گا۔ جو وہ خود دیں گے اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ عشق و محبت میں پیری مریدی نہیں۔ وہی سب کے مالک ہیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ باپ کی موجودگی میں کوئی خود مختار نہیں ہوتا۔ قدرت نے ہمیں دولت محبت عطا فرما کر حیات و موت کی کشمکش سے آزاد کرنے والا ہمیں وہ زندگی عطا فرمانے والا جسے زوال نہ ہو جو کائنات میں سب سے زیادہ لطیف اور پر سرور ہے۔ جو اسے یاد رکھے وہ کامیاب جو اس سے دور رہا وہ ناقص۔ لہٰذا ایک عرصے کے بعد تعلیم کی سمجھ آئی اور شکر ادا کیا کہ خاک ٹھکانے لگی۔ ورنہ بیکسی اپنا مقدر ہوتا۔ یہ نظر کرم کا فیض ہے کہ اب تک ان کے سہارے جی رہے ہیں۔ میں نے کافی سے زیادہ لکھ دیا۔ وہ کچھ لکھ دیا جو میرے بس میں بھی نہ تھا۔ اس لئے کہ سلسلہ وارثیہ موجودہ دور میں احرام کا احترام چھوڑ رہا ہے۔ جہاں دیکھو کوئی زرد رنگ کی چادر کندھوں پر ڈالے بیٹھا ہے۔ کوئی اپنی مرضی سے احرام پہنے بیٹھا ہے۔ کوئی احرام پہن کر گھر گھر پھر رہا ہے۔ پیری مریدی کو فروغ دے رہا ہے۔ وارثی حضرات کے گھروں میں واقفیت پیدا کر کے ہر دو تین ماہ کے بعد وہاں جانا ایک طریقہ بنا لیا ہے۔ ہر کس و ناکس کو احرام دینا۔ حالانکہ خود وہ احرام پوش نہیں ہوتا نہ اسے کسی احرام پوش سے احرام عطا ہوتا ہے۔ نہ تعلیم و تربیت ہوتی ہے اور نہ اجازت بیعت۔ مگر ذریعہ روزگار کے لئے اس نے لوگوں کو احرام دے رکھے ہیں۔ مجاہدہ نام کی چیز سے نابلد' نہ عبادت و ریاضت کی تعلیم۔ لہٰذا وہ احرام پوش سلسلہ عالیہ کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جن

کے لئے میں سرکار عالم پناہ کے چند ارشادات تحریر کروں گا۔ تاکہ سلسلہ عالیہ وارثیہ کا میں حق ادا کروں۔ سرکار عالم پناہ کا فرمان ہے۔ فرمایا "عشق میں ترک ہی ترک ہے۔ ترک دنیا۔ ترک عقبیٰ۔ ترک مولیٰ ترک ترک اور اپنا آپ فراق ہے۔ فرمایا منزل عشق میں ذات صفات ہو جاتی ہے اور صفات ذات۔ فرمایا محبت میں کفر و اسلام سے غرض نہیں۔ اس میں شریعت کو کچھ دخل نہیں۔ اہل تصوف کے بعض الفاظ بادی النظر میں اہل ظواہر کو کراہیت معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقتاً" وہ ایسے نہیں ہوتے۔ ان کی اصطلاحیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ ارباب ظاہر ان الفاظ کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور انہیں معنوں پر حکم لگا دیتے ہیں اور مشاغل کے منکر ہو کر اس کو کافر و منکر زندیق قرار دیتے ہیں۔ کاش کوئی عشق و محبت کے سوز و گداز میں مبتلا ہو کر اپنے احساس کی ترجمانی کر سکے۔ فرمایا عاشق وہ ہے جو اپنی ہستی سے گزر جائے۔ مردہ ہو جائے۔ خود کو زندوں میں شمار نہ کرے۔ فرمایا عشق میں امیدیں اور خواہشیں سب مٹ جاتی ہیں۔ کوئی بات کسی غرض پر مبنی نہیں ہوتی۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ عاشق کا دین و دنیا دونوں خراب۔ فرمایا عشق وہبی ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ عشق میں انتظام نہیں۔ عاشق وہ ہے جس کی ایک سانس بھی یاد مطلوب سے خالی نہ ہو۔ محبت میں ادب و بے ادبی کا فرق نہیں ہے۔ عاشق کو خدا معشوقوں کی صورت میں ملتا ہے۔ محبت وہ چیز ہے جس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ محبت ہے تو ہم ہزار کوس پر تمہارے ساتھ ہیں۔ محبت میں بے ادبی عین ادب ہے۔ محبت عین ایمان ہے۔ فقیر کم مشائخ زیادہ ہوتے ہیں۔ چونکہ منزل عشق میں خلافت نہیں ہوتی۔ فرمایا عاشق کے مرید پیروکار کا انجام خراب نہیں ہوتا۔ فرمایا

اگر عاشق کی زبان سے کوئی بات غلط نکل جائے تو اس کو بھی خدا درست کر دیتا ہے۔ فرمایا عاشق کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے۔ نہ شیر کھا سکتا ہے۔ فرمایا محبت کرو۔ کسب سے کچھ نہیں ہوتا"۔

حضور قبلہ عالم نے یہ تو محبت عشق کی تعریف میں ہدایات فرمائی ہیں۔

جس طریقہ سے حضور قبلہ عالم نے عالم انسانی کو تعلیم فرمائی ہے۔ یہ واحد حضور سرکار عالم پناہ کا ہی حصہ ہے۔ نہ یہ تعلیم پہلے تھی نہ بعد میں ہوگی۔ فقراء کو اپنا استعمال شدہ احرام عطا فرما کر نام بدل کر خطاب "شاہ" سے نواز کر فیض سے بھرپور فرما کر مخصوص تعلیم سے نوازا اور اپنے در کے فقیر کو رضا و تسلیم کی پرخطر راہ سے ذرا برابر بھی ہٹنے نہیں دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرکار عالم پناہ کے ہر فقیر احرام پوش کی زندگی اپنے دور میں وحدت و توحید کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ ہر احرام پوش ایک مخصوص انداز رکھتا تھا۔ جو دوسرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے لئے خاص فرمان تھے۔ جیسے کہ ہم تمہیں فقیر بنا رہے ہیں۔ کہیں امیر نہ بن جانا۔ فقیر وہ ہوتا ہے جو خدا سے بھی نہ مانگے۔ فقیر وہ ہے جس کا ایک سانس بھی یاد مطلوب سے خالی نہ جائے۔ فرمایا بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ ہرگز نہ پھیلے۔ لاطمع ہو کر رہے اور تسلیم و رضا پر قائم رہے۔ فقیر کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ فقیر کو سوال حرام ہے۔ مرید ہو تو ایسا کہ پیر کے سینے پر سوار ہو کر اپنا حصہ حاصل کرے۔ پیروں کو رسمی مرید بہت ملتے ہیں جو پیروں کا ذریعہ نفس بن جاتے ہیں مگر مراد قسمت سے ہاتھ آتا ہے۔ جیسے حضرت خواجہ بوسعیدؒ کو حضور غوث پاکؒ خواجہ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ اور انہیں

امیر خسروؒ و حضرت علاؤ الدین صابرؒ اور ان کو حضرت شمس الدین ترک پانی پتی۔ فرمایا جب کچھ نہ رہے گا تو فقیر ہو گا۔ فقیری ایک کے ہو کر ایک میں گم ہو جانے کا نام ہے۔ یہ تو ترتیب سرکار عالم پناہ شہنشاہ طریقت کی ہے۔ جو چلتے چلتے اب پاکستان میں رسم بن کر رہ گئی ہے۔ جسے دیکھو احرام باندھے ہوئے پیر بن کر وارثیوں کے گھر گھر پھرتا ہے۔ ایک دن میں احرام پہن کر دوسرے دن لوگوں کو اپنی ذاتی بیعت میں داخل کر کے انہیں اپنا ذاتی مرید بنا کر اپنی ذاتی آمدن کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ اسی سے سرکار عالم پناہؒ نے بارہا روکا ہے۔ اسے غلط قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اہل محبت و عشق کا یہ شیوہ نہیں۔ جہاں ہم سرکار عالم پناہ کی وضع داری کی پابندی کرتے ہیں۔ وہاں اس کا احساس نہیں کہ حضور قبلہ عالم نے زر کو اپنا ہاتھ نہیں لگایا۔ حضور قبلہ میاں حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی فرماتے تھے کہ جب ہم نے سرکار عالم سے دریافت کیا کہ آپ زر کو ہاتھ نہیں لگاتے اور ساری دنیا کا سفر فرما لیا۔ کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا وہ ہاتھ جو دست ید اللہ کہلاتا ہے' وہی ہاتھ کن کی تخلیق میں مستعمل کیا جائے۔ وہ جب غیر از خواہشات میں استعمال ہو گا تو دست ید اللہ نہیں کہلائے گا۔ میرے جد امجد میرے ہاتھ کو دست ید اللہ قرار دے چکے ہیں۔ یہ اعزاز مجھے روز ازل سے ملا ہے۔

لہٰذا میرا ہاتھ خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کا طلبگار نہیں ہو سکتا۔ مجھے دست ید اللہ کی حفاظت کرنے کے لئے ہر حربہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اسی کی تعلیم حضور قبلہ عالم اپنے فقیر احرام پوش کو جسے اپنے وجود اقدس کا لباس عطا فرماتے اور تاکیداً" فرماتے کہ اپنا دست طلب کسی اور کے سامنے کیا خدا کے سامنے

بھی دراز نہ کرنا۔ ورنہ دست گیری کے قابل نہیں رہو گے۔ مگر اب بھولپن نظر آ رہا ہے۔ سرکار عالم پناہ خود ہی ہمارے حال پر کرم فرمائیں۔

ہم نے حضرت فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابیؒ کو دیکھا جو توکل و رضا و تسلیم میں اپنا جواب آپ تھے۔ کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ نہ سرکار عالم پناہؒ کی یاد کے بغیر اور کوئی سرمایہ تھا۔ گھر گاؤں جب چھوڑا پھر اس طرف کا رخ نہیں فرمایا۔ یہی حال حضرت فقیر حاجی اکمل شاہ صاحب وارثی کا تھا کہ فقیر ہوئے۔ گھر کو خیر آباد فرمایا۔ پھر رخ نہیں کیا۔ جوان لڑکا اچانک فوت ہونے کی خبر ملی۔ فرمایا شکر ہے کہ اب ہم فقیر ہوتے جاتے ہیں۔ بغیر سرکار عالم پناہ کی محبت کے باقی اور کچھ نہ رہے۔ یہی عالم حضرت فقیر حیرت شاہ وارثیؒ کا دیکھا کہ آیا بہت کچھ دنیا جہان کا سامان آ رہا ہے۔ جو سارے دن میں تقسیم فرما کر رات کو بے فکر ہو کر آرام فرما رہے ہیں۔ نہ صبح کی فکر اور نہ شام کے لئے طلب ہے۔ عرصہ دراز حرمین شریفین کی حاضریاں ہوتی رہیں۔ مگر بے سروسامانی کا عالم ساتھ ساتھ رہا۔ حیران ہوتے تھے کہ نظام کس طرح چل رہا ہے۔ عرس بزرگاں بھی ٹھاٹھ سے کر رہے ہیں۔ غریب نادار غلاموں کو بھی نواز رہے ہیں اور زر نقد بھی کچھ نہیں مگر آتا ہے جا رہا ہے۔ یہی سادگی حضرت حاجی فقیر انوار شاہ صاحب وارثی کی دیکھی گئی کہ پاس کچھ نہیں مگر اطمینان حد سے زیادہ ہے۔ یہ مثالیں میں نے اس لئے دی ہیں۔ کہ سلسلہ عالیہ اپنے اندر بے شمار مخفی اسرار رکھتا ہے۔ مگر اس کا استعمال غلط راستہ اختیار کر چکا ہے جس کی وجہ سے وہ کیف و سرور دن بدن کافور ہو رہا ہے۔ جس کے لئے ہمارے فقراء نے مجاہدے ریاضت کر کے حاصل کیا تھا۔ کئی کئی سال جنگلوں سیاحت ملک در ملک شب و

روز گزار کر حاصل کیا تھا۔ کئی کئی سال تک روزے رکھ کر سرکار عالم پناہؒ کے حکم کی تعمیل فرمائی تھی۔ مگر آج کل پہلے دن مرید ہوئے' دوسرے دن احرام پہنا اور لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی احرام پہنانا شروع کر دیا۔ روپ بدل کر ذریعہ رزق بنا کر یہ پیشہ شروع کر دیا اور بال بچوں کی پرورش مریدان کی کمائی سے شروع کر دی۔ جو کمایا' بال بچہ کو کھلایا اور نام احرام کا بدنام کیا۔ حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

التصوف ھو المریہ والفتوۃ و ترک التکلف والسخا۔ تصوف آزادی جوان مردی ترک تکلف اور سخاوت کا نام ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں التصوف الیوم الہ بلا حقیقتہ و قد کان من قبل حقیقتہ بلا اسم۔ آج تصوف بے حقیقت نام ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ حقیقت ہی حقیقت تھی جس کا کوئی نام نہ تھا۔ ایک جگہ فرمان ہوتا ہے کہ گدڑی عوام کے لئے نعمت اور خواص کے لئے مصیبت کی زرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام اکثر پریشان حال ہوتے ہیں۔ ان کا ہاتھ کہیں نہیں پہنچتا۔ نیز علاوہ حصول جاہ و دولت کے لئے ان کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوتا جس سے وہ دنیا و دولت اکٹھی کر سکیں۔ دوسری طرف اگر خواص اس راہ کی طرف آئیں تو انہیں اپنی امارت و ریاست چھوڑنی پڑتی ہے اور عزت کی جگہ ذلت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ خواص اس کے حق میں جو چیز مصیبت ہے۔ عوام کے حق میں وہی چیز نعمت ہے۔

فرماتے ہیں۔ آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہے۔ بس مناسب ہے کہ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اس کا ارادہ بھی نہ کرو۔ اگر تم ہزار سال بھی طریقت قبول کر لینے کے بارے میں کہتے ہو تو یہ اس لمحے کی مثال نہیں بن سکتی جس

میں طریقت خود تمہیں قبول کرے۔ یہ صرف خرقہ پوشی احرام پوشی کا کام نہیں۔ یہ تو آتش عشق میں جلنے کا نام ہے۔ جو شخص طریقت سے آشنا ہوتا ہے۔ اس کی امیرانہ قبا بھی درویشی کی عبا ہے اور جو شخص اس راہ سے بیگانہ ہے۔ اس کا خرقہ احرام اس کے لئے نحوست اور قیامت کے دن باعث شقاوت ہو گی۔ چنانچہ ایک بزرگ سے لوگوں نے کہا آپ خرقہ فقر کیوں نہیں پہنتے۔ آپ نے فرمایا جو ان مردوں کا لباس پہننا اور اس کی ذمہ داریں پوری نہ کرنا منافقت ہے۔ اس کا روز حساب خطرناک ہے۔ اگر یہ لباس کوئی اس لئے پہنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے خاص بندوں میں شمار ہو تو وہ لباس کے بغیر بھی اپنے بندوں کو جانتا ہے۔ اگر اس لباس کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق اسے ولی اللہ سمجھے۔ اس صورت میں اگر وہ واقعی ولی اللہ ہے تو یہ ریا ہے اور اگر وہ فی الحقیقت ولی اللہ نہیں تو یہ منافقت ہے۔ یہ راستہ انتہائی دشوار اور پر خطر ہے۔ اہل حق اس سے بلند و بالا ہیں کہ ان کی معرفت اور شناخت کسی قسم کے کپڑوں سے کی جائے۔

سرکار قبلہ عالم وارث ارث علیؒ ایک مقام پہ فرماتے ہیں جسے بزرگ محترم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بیان فرماتے ہیں کہ فقیری میں لباس کا کوئی مقام نہیں۔ عطائے خرقہ و خلافت یا لباس فقر دستور خداوندی ہے۔ جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ فقط آدم کو لباس خلافت عطا فرما کر اشرف المخلوقات قرار دینا احترام، نور مجسم شہنشاہ دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے ورنہ تمام کائنات کی مخلوق بغیر آدم کے لباس سے خالی ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ آدم کا لباس اس کا احترام ہے۔ کافی سے زیادہ وضاحت لکھ کر

وضاحت کی ہے۔ حضور سرکار عالم پناہ وارث پاک اور بزرگان دین کی تعریف لکھنے کے قابل ہم نہیں ہیں، نہ ہی ان کی تعریف ختم ہو سکتی ہے۔

بہرحال عزیز و محترم جناب میاں اللہ عطا اللہ صاحب ساگر وارثی جو حضرت الحاج فقیر حیرت شاہ وارثی کے دست گرفتہ ہو کر وارثی ہیں۔ اور سوز و گداز کی سانسوں سے اپنی زندگی دنیا دار ہوتے ہوئے کئی مشکلوں مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہوئے گزار رہے ہیں۔ واقعی سوز و گداز ہی یادیار کی نشانی جس کے لئے التجا ہے کہ سرکار عالم نواز میاں عطا اللہ ساگر وارثی کو ہمیشہ ہی اپنے کرم، فضل اور رحمت سے نوازیں۔ سلسلہ عالیہ کے لئے شب و روز اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ علمی ذوق جو سرکار عالم پناہ نے عطا فرمایا۔ اس سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ کئے ہوئے ہیں۔ علمی ذوق جو سرکار عالم پناہ نے عطا فرمایا۔ اس سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ تصوف کا تاریخی پس منظر پیش کرتے رہتے ہیں۔ آج کل حضرت فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی اور حضرت اکمل شاہ صاحب وارثیؒ کے حالات پر مطالعہ کر رہے ہیں اور اس مطالعہ کی ابتداء کے لئے مجھے لکھنے کے لئے پیش لفظ کا حصہ دیا۔ گو میں اس قابل تو نہیں مگر ایک عزیز محسن جو میرے بہت قریب میرے سانسوں سے واسطہ ہے۔ اسے ٹال نہیں سکتا۔ لہٰذا جس قدر لکھ سکتا تھا لکھا۔ اگر کوئی تحریری غلطی یا کہیں گستاخی میرے قلم سے سرزد ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ آخر میں میری دعا ہے کہ میرے عزیز و محترم میاں عطا اللہ ساگر وارثی پہ سرکار عالم پناہ اپنا کرم روز محشر تک فرماتے رہیں۔ ہر مشکل ہر مصیبت میں حضور دستگیری فرمائیں۔ قبلہ عالم کا کرم ہمیشہ ان کی اولاد پر ان کے خاندان پر قائم و دائم رہے۔ تاکہ سدا یہ اپنے ذوق و شوق

سے سلسلہ عالیہ اور تصوف کی خدمت کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

گدائے وارث ارث علیؒ

فقیر عزت شاہ وارثی

ایں سلامِ من رسائی کاش اے وارث علی
تا درِ سُلطانِ دیں فخرِ نبیؐ یعنی علی

آستانہ عالیہ۔ حضور سرکار عالم پناہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہؒ دیوہ شریف (انڈیا)

حضور سرکار عالم پناہ حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہٗ

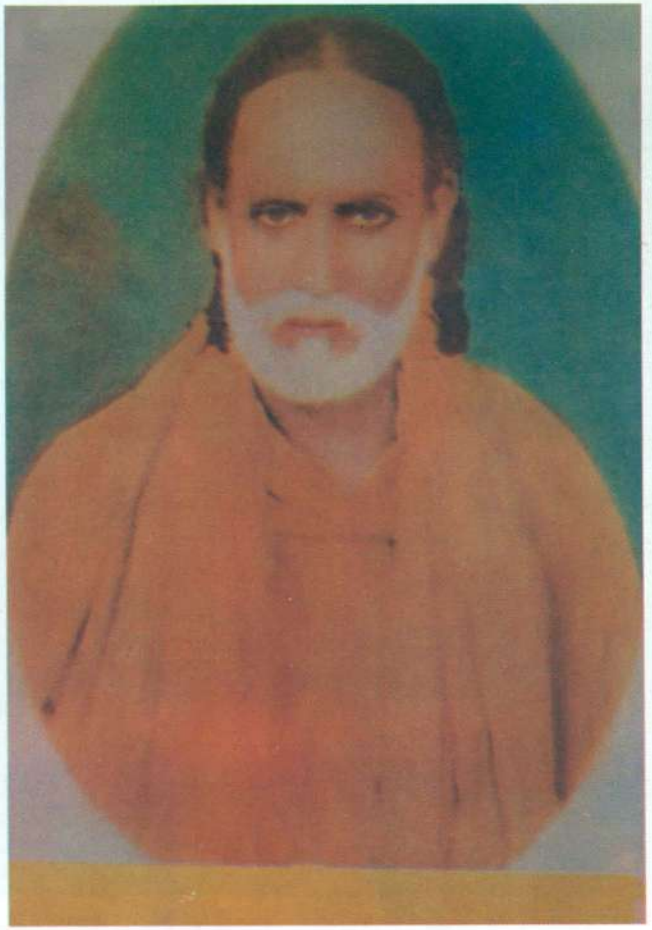

حضرت حاجی حافظ فقیر اکمل شاہ وارثیؒ

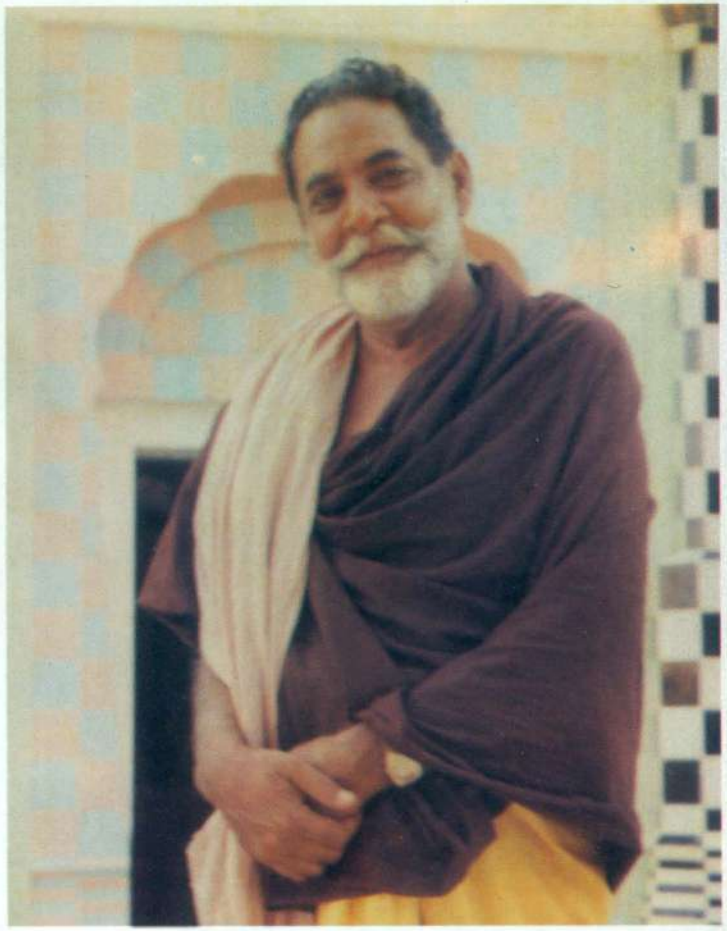

حضرت حاجی فقیر عزت شاہ وارثی مدظلہ

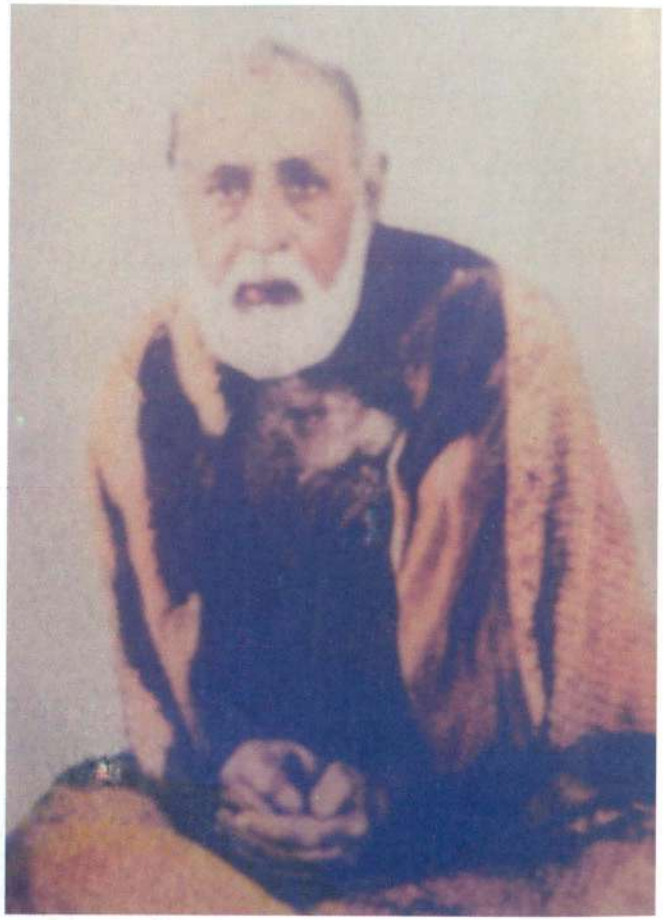

حضرت حاجی فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ

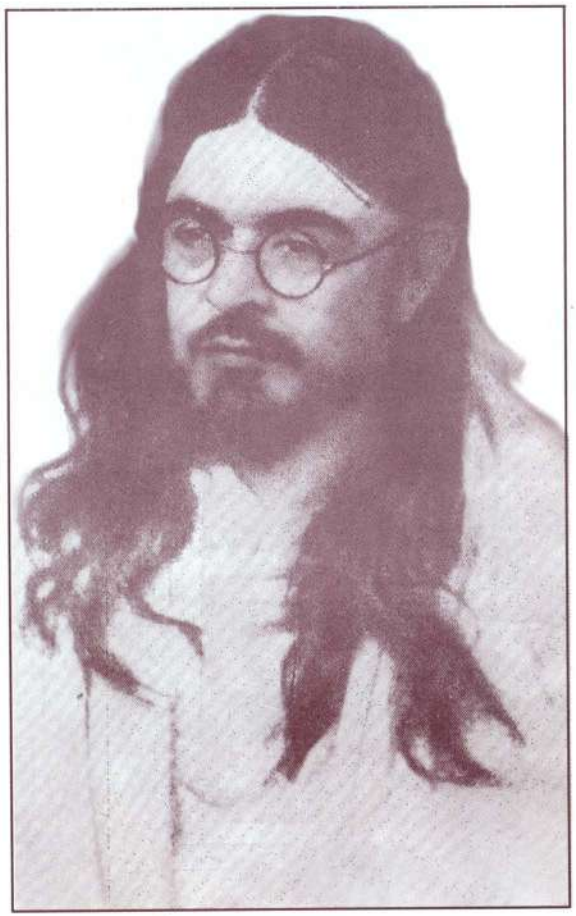

حضرت حاجی میاں حیرت شاہ وارثیؒ

حضرت حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی علیہ الرحمۃ

حضرت قبلہ حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ کا اصلی نام قاضی محمد خورشید عالم المعروف بہ فقیر حافظ قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ تھا۔ آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ قاضی محمد عطا ؒ تھا۔

ولادت باسعادت

آپؒ تقریباً ۱۸۷۲ء میں بمقام موضع ملھو سنگھوئی ضلع جہلم میں ایک معزز خاندان مغل برلاس میں پیدا ہوئے جن کا شجرہ نسب شہزادہ دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب

قاضی خورشید عالم المعروف بہ فقیر قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ بن قاضی حافظ محمد عطا بن قاضی حافظ رکن عالم بن قاضی حافظ محمد حسنؒ بن قاضی غیاث الدین بن قاضی حفیظ اللہ بن قاضی ہدایت اللہ (نقش بر سینہ لا الہ الا اللہ) بن قاضی عبدالخالق بن قاضی نور محمد بن قاضی فتح محمد بن پسر شکوہ بن دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ۔

سکھوں کے عہد حکومت میں ریاست سنگھوئی بعہد راجہ لعل سنگھ

قاضی محمد حسن جو علوم دین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے کو علاقے کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ قاضی محمد حسنؒ کا آبائی وطن ضلع گجرات تھا۔ وہاں سے بہ سبب قاضی القضاۃ کا عہدہ مقرر ہونے اور اس کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے نقل مکانی کر کے قصبہ سنگھوئی میں آکر آباد ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد اپنا ارادہ تبدیل کر کے برکنارہ دریائے جہلم اور سرسبز زرخیز علاقہ دیکھ کر مستقل سکونت قصبہ سنگھوئی کی اختیار کرلی۔

قاضی محمد حسنؒ کے ہاں اللہ تعالیٰ نے قاضی محمد عطاؒ کو پیدا کیا اور جن کے بڑے فرزند ارجمند قاضی خورشید عالم تھے۔ جو بعد میں قاضی اکمل شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ المعروف بہ حافظ جی کے اعلیٰ اور معزز القابات سے مشہور و معروف ہوئے۔

قاضی محمد عطا (ف - ۱۹۲۴ء) کے برادر اصغر قاضی محمد بقاؒ تھے۔ جن کو عالمِ شباب میں قدم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتفاقیہ زیارت ہو گئی۔ بس اس وقت سے ان کی حالت غیر ہو گئی اور اس دنیا کے تمام قیود و جھنجھٹ سے آزاد ہو گئے اور حالتِ مجذوبیت طاری ہو گئی۔ مگر بعد میں کبھی کبھی محویت کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی۔ جس میں روزہ نماز کی پابندی اور درس و تدریس کا شغل بھی فرماتے۔ لیکن کرم نوازی اور نظرِ کرم اپنے بڑے بھتیجے (خورشید عالمؒ) پر تھی اور اکثر زبان گوہر فشاں سے فرمایا کرتے تھے "خورشید واقعی خورشید ہو گا" اس کے بعد قہقہہ لگاتے ---- خاندانی بزرگوں سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بڑے دادا جانؒ اپنے چھوٹے بھائی دادا جی محمد بقاؒ پر بوجہ کسی خاص بات کے خفا ہوئے اور اظہارِ ناراضگی فرمایا۔

اس ناراضگی کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ آپؒ حالتِ جذب میں تھے کہ کسی بے عقل اور حالتِ مجذوبیت کو نہ سمجھنے والے کو آپؒ (محمد بقاؒ) سے شکایت پیدا ہوئی تو اس ناسمجھ نے حضرت بڑے دادا صاحبؒ سے شکوہ و شکایت کا اظہار کر دیا۔ بڑے دادا جانؒ نے یہ سن کر طیش و غصہ میں آکر اپنے دو چار خادموں سے کہہ کر دادا جان قاضی محمد بقاؒ کو لوہے کی زنجیر میں جکڑ کر کیکر کے ایک درخت کے ساتھ مضبوطی سے بندھوا دیا۔ حضرت قبلہ قاضی صاحبؒ خاموشی سے یہ سارے حالات دیکھتے رہے۔ جب خادموں کو یقین ہو گیا کہ اب آپ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ تو آپؒ نے استفسار کیا "بھئی مضبوط کس کر باندھا ہے ناں" خادموں نے جواب دیا اب تو آپؒ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتے۔ --- خورشید عالمؒ صاحب اپنی آنکھوں سے یہ تمام منظر دیکھتے رہے۔ ویسے بھی آپ اس وقت نابالغ تھے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر بڑے دادا جانؒ نے انہیں جھڑک دیا اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جناب قاضی محمد بقاؒ نے خورشید عالمؒ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میری زنجیر کھولو۔ بڑے دادا جانؒ نے خورشید عالمؒ کو مذاقاً فرمایا۔ جاؤ! اور چچا میاں کی اس تکلیف سے خلاصی کراؤ۔ جناب خورشید عالمؒ چچا جانؒ کے قریب آئے تو چچا جان نے حکم دیا کہ میری زنجیر کو پکڑو۔ جونہی آپؒ نے زنجیر کو ہاتھ میں پکڑا۔ قاضی محمد بقاؒ نے زور سے اچھل کر دونوں پاؤں کی ایڑیاں زمین پر ماریں اور ساتھ ہی "حق" کا نعرہ لگایا اور زنجیر کھل کر نیچے زمین پر گر پڑی۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔ بڑے دادا جانؒ نے دوبارہ سہ بارہ مضبوطی سے بندھوایا کہ شاید باندھنے میں کچھ کسر رہ گئی ہو لیکن ہر بار زنجیر کھل کھل جاتی

تھی۔ آخر کار آپ نے فرمایا "یہ نہیں بندھتا" **واللہ اعلم بالصواب**۔ اس میں کیا راز تھا کہ قاضی صاحبؒ نے بھائی کو مخاطب ہو کر فرمایا "بھیا! ناراض نہ ہونا' اب راز کھل چکا ہے اور یہ ناچیز آپ کا برادرِ حقیقی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اب تمہاری اولاد میں ایک فرد ایسا پیدا ہوتا رہے گا جس کو لباسِ فقر عطا ہوتا رہے گا"۔

اور یہ پیش گوئی واقعی سچ ثابت ہوئی اور آج تک تو یہی کچھ ہو رہا ہے۔ پھر اس کے بعد کبھی بھی دادا جانؒ اور دوسرے لوگوں کو قاضی محمد بقاؒ سے شکایت نہ ہوئی۔

تعلیم

خاندانی روایت و دستور کے مطابق حضرت خورشید عالمؒ کی تعلیم کی ابتداء چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر پر "**بسم اللہ**" حضرت قاضی محمد بقاؒ کے دستِ حق پرست سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم تھوڑی سی مدت میں آپ نے مکمل کر لی۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس دور کے عالم و فاضل مولانا عبدالرحیمؒ صاحب کی خانقاہ کھڑی شریف کے دارالعلوم میں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسے سے آپؒ نے درس نظامی اور مروجہ علوم کی تکمیل کی اور دستار فضیلت حاصل کر کے تعلیم ظاہری سے فارغ ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپؒ نے کچھ مدت مولانا کرم الدین صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا جو بھین ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد باطنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ذوقِ

طلب پیدا ہوئی۔ مغل برلاس کا یہ خاندان پہلے سے حضرت سلطان العارفین سلطان باہو علیہ الرحمتہ کے دستِ حق پرست پر خاندان قادریہ عالیہ میں داخل تھے۔ اس سلسلہ عالیہ قادریہ میں بہ سبب عشق و محبت ایک معزز مقام رکھتے تھے اور معاشرے میں بندہ پروری کی وجہ سے مشہور و معروف تھے اور آج بھی ہے۔ حسب سابق روایت خاندانی حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ صاحب اسی روایت کو زندہ و جاوید رکھنے کے لئے چند احباب کے ہمراہ (میاں اللہ رکھا اور مہراللہ دین نمبردار مرحومین) کی معیت میں آستانہ عالیہ سلطان باہو علیہ الرحمتہ پر حاضر ہوئے اور اپنے آنے کا مدعا حضرت سائیں نور احمدؒ سے بیان کیا جو اس وقت مسند سجادگی پر فائز تھے۔ سائیں صاحبؒ نے میاں اللہ رکھا اور مہراللہ دین نمبردار مرحومین کی درخواستیں برائے بیعت منظور کر لیں اور وہ سائیں نور احمدؒ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے مگر قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے فرمایا "یوں تو تمہارا تمام خاندان اس سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہے اور ہمیں اس پر فخر ہے مگر ہمارے پاس تمہارا حصہ نہیں ہے بلکہ تمہارا حصہ پورب میں ہے اور وقت آنے پر ضرور ملے گا۔ گھبراؤ نہیں ایک ہی بات ہے"۔ اور دعائے خیر فرمائی اور سب کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد آپ کی طبیعت کچھ مضمحل سی رہنے لگی۔ اسی پریشانی میں آپ نے ۱۸۹۰ء میں فوجی ملازمت اختیار کر لی اور خطیب کے عہدے پر نمبر ۲۲ پلاٹون میں بھرتی ہو گئے۔ دوران ملازمت آپ ڈیرہ اسماعیل خان' جہلم' ملتان' میرٹھ اور لکھنؤ چھاؤنیوں میں رہے۔ مگر باوجود ملازمت انگریزی کے جو دل میں عشق کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ وہ ابھی تک بجھی نہیں تھی بلکہ ذوقِ طلب

اس کو مزید ہوا دے رہا تھا اور پیرو مرشد کی تلاش و جستجو بھی جاری تھی۔

سرکار عالم پناہ حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ سے

ملاقات

۱۸۹۷ء میں حضرت قاضی صاحب کی پلٹن دہلی چھاؤنی میں آئی تو آپ بھی پلٹن کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ ایک روز اتفاقاً" دلی شہر میں تشریف لے گئے اور ایک حجام کی دکان پر داڑھی کا خط بنوانے کے لئے ٹھہر گئے۔ اسی اثنا میں آپؒ نے دیکھا کہ شہر میں غیر معمولی گہما گہمی ہے۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہندو مسلم سکھ وغیرہ وغیرہ ایک ہی سمت میں دوڑے جا رہے ہیں۔ آپؒ نے حجام سے اس بھیڑ کے متعلق دریافت فرمایا تو پتہ چلا کہ ایک بہت بڑے بزرگ آج دلّی تشریف لا رہے ہیں اور سب لوگ ان کے استقبال کو ریلوے اسٹیشن کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ آپ کی زبان گوہر فشاں سے سماعت کریں۔

میرے قلب کو بھی شوق چرایا کہ اس بزرگ کی ضرور زیارت کرنا چاہئے۔ چنانچہ خط بنوایا اور غسل کیا۔ خوشبو لگائی اور پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ مجھے بڑے گیٹ سے دس پندرہ گز پرے ہی کھڑے ہونے کے لئے جگہ ملی۔ مایوسی کے عالم میں سوچا کہ اتنے پرے رہ کے ایسے بڑے بزرگ کی کیا زیارت ہو گی۔ اتنے میں اک شور اٹھا کہ ریل گاڑی آ گئی۔ ہجوم میں ہل چل پیدا ہوئی تو پولیس نے

ہجوم کو پھاٹک سے پرے ہٹانا شروع کر دیا۔ لیکن مجھ پر دیدارِ شوق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹا اور پولیس کے انتظام سے اس بزرگ کی آمد کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ' زرد رنگ کا لباس' عجیب طرز کا زیب تن فرمائے ہوئے سیدھے میری طرف چلے آتے ہیں۔ میں دوڑ کر بے ساختہ والہانہ انداز میں قدم بوس ہوا۔ اس بزرگ نے کرم بخشی فرمائی۔ دستِ کرم سے اٹھا کر مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا "پنجابی حافظ آ گئے۔ اچھا پھر ملیں گے"۔ اتنا فرما کر حضور آگے بڑھ گئے اور میں وہیں اسی جگہ حیرت زدہ کھڑا رہ گیا۔ ذرا حواس درست ہوئے تو اردگرد چند اشخاص کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ بزرگ سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہؒ ہیں۔

اس کے بعد میں واپس اپنی پلٹن میں چھاؤنی چلا گیا۔ لیکن شب بھر بے چینی رہی اور ایک تڑپ دل میں رہی کہ اس صورت زیبا کا پھر دیدار ہو۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ تلاش و جستجو میں سرگرداں نکل کھڑا ہوا اور حضور سرکار عالم پناہ سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کی بارگاہ اقدس میں جا پہنچا (بعد میں مجھے حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ سے پتہ چلا کہ سرکار نے فرمایا ہے کہ یہ پنجابی لڑکا ایک دن ہمارا فقیر ہو گا۔ میں قدم بوس ہوا اور استدعا کی کہ حضور سرکار پاک! مجھے بیعت سے مشرف فرمائیں۔ پوچھا کہاں سے ہو۔ میں نے عرض کیا "حضور جہلم کے علاقہ سنگھوئی سے تعلق ہے"۔ فرمایا "اچھا! وہ لعل سنگھ کی سنگھوئی۔ ہم وہاں گئے تھے۔ ایک بزرگ درویش صفت حافظ رکن عالمؒ کے ہاں تین روز تک قیام کیا۔۔۔۔ جناب قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے عرض کیا کہ

وہ ہمارے جد اعلیٰ تھے تو سرکار عالم پناہؒ نے محبت کا اظہار فرماتے ہوئے بیعت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "اسی صورت کو یاد رکھنا"۔ اس کے بعد شب و روز کی یہ کیفیت ہو گئی کہ اس صورت کے سوا یاد ہی کچھ نہ رہا۔

حیرت نگاہ سے نہ تماشہ کرے کوئی
صورت وہ روبرو سے کہ دیکھا کرے کوئی

کچھ مدت کے بعد آپ کی پلٹن کو لکھنؤ جانے کا آرڈر ملا۔ لکھنؤ میں دو سال تک قیام رہا اور یہ کیفیت بھی دن بدن اپنا جوبن دکھانے لگی۔ جب حالت غیر ہوتی، لکھنؤ سے ریل گاڑی کے ذریعہ بارہ بنکی پہنچے اور وہاں سے کبھی پیدل، کبھی یکہ پر دیوی شریف گئے اور سرکارؒ میں حاضری دیتے رہے۔

لکھنؤ میں قیام کے دوران مزاج میں کچھ ایسی تبدیلی آئی کہ دل دنیا کی محبت سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آخر کار بارگاہ عالم نوازؒ میں حضرت اوگھٹ شاہ وارثی فقیر کے توسط سے احرام کے لئے درخواست پیش کی گئی تو سرکار عالم پناہ سید وارث پاکؒ نے فرمایا کہ "جب تک والدین بقیدِ حیات ہیں ان کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ تمہارا حصہ تم کو وقت آنے پر مل جائے گا"۔ چنانچہ آپ ارشادِ پاک کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہو گئے اور والدین کی دعاؤں سے جب تک زندہ رہے، مستفیض ہوتے رہے۔

رشتہ ازدواج سے منسلک اور زندگی کے مشاغل

حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کی شادی عالمِ شباب میں حضرت قاضی محمد بقاؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ جن سے تین اولادیں پیدا ہوئیں۔ ان

میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی اور بیٹا آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ چھوٹی بیٹی بھی شادی کے بعد فوت ہو گئی اور ان کی بھی ایک اولاد یعنی بیٹی تھی۔ جن کی شادی بریگیڈیئر ظفر السلام سے ہوئی تھی۔

حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ اکثر موج میں آکر میاں محمد رحمتہ اللہ علیہ کا کلام پڑھا کرتے تھے۔ سنگھوئی میں زیریں محلّہ (یہ جگہ دارا کے نام سے مشہور ہے) محلّہ کے ہم عمر جوانوں کے ساتھ موسم گرما کی دوپہر میں نشست فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی دوست احباب کی فرمائش پر سیف الملوک بھی ترنم سے پڑھتے تھے اور احباب محظوظ ہوتے اور جھوم جھوم جاتے تھے۔

فقیر محمد اور میاں عبدالغنی مرحومین بیان کرتے تھے۔ ایک روز حسبِ معمول سیف الملوک پڑھنے کی درخواست پیش کی گئی جیسے ہی آپؒ نے ترنم سے پڑھنا شروع کیا۔ اردگرد کے ماحول پر سکوت چھا گیا۔ اس دوران میں برنے کے ایک درخت سے ایک فاختاؤں کا جوڑا بے خود ہو کر قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے قدموں میں گرا اور اضطرابی حالت میں رقص کناں رہا۔ اسی اثنا میں مسجد سے اذاں کی آواز سنائی دی۔ سب نے "اللہ اکبر" کہا اور قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے پڑھنا بند کر دیا------

اس کے بعد فاختائیں بھی اڑ گئیں۔ آپ اکثر معمول کے مطابق جہلم شہر کی جانب صبح کاذب کے وقت پیدل ہی گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور سورۃ یٰس کی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ترنم کے ساتھ سیف الملوک پڑھنا شروع کر دیتے۔ خداوند تعالیٰ نے آواز میں سوز اور درد ایسا عطا فرمایا تھا کہ جس بستی سے گزرتے۔ اہلِ دیہہ آپؒ کے پڑھنے سے کافی محظوظ ہوتے

اور سر دھنتے رہتے۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا تھا کہ اکثر محبین سڑک پر کھڑے منتظر رہتے تھے۔

لباس

آپؒ کا لباس رنگین پوشی سے قبل نہایت قیمتی ہوتا تھا اور ہمیشہ خوش لباس اور شرفائے وقت کا سا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اس کا چرچا تمام خاندان میں ہوتا تھا۔ حد سے زیادہ صفائی پسند تھے۔ جب آپ کی احرام پوشی ہو گئی تو اکثر دیکھا تھا کہ آپ کے احرام پر داغ دھبّہ کا نشان تک بھی نہ ہوتا گیا۔

عادات و خصائل

آپ بے حد منکسر المزاج تھے۔ کسی کے خلاف کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ قاضی عزت شاہ وارثی قبلہ نے بیان کیا کہ میں اکثر کئی موقعوں پر بزمانہ طالب علمی بزرگ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے اہم اور نازک دینی مسائل پر بحث و مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ اس دوران میں اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ بحث کرتے کرتے جوش میں آکر اپنی حد سے تجاوز کر جاتا تھا مگر آپؒ ہمیشہ میری اس ادا سے مسکراتے رہتے۔ اور چند الفاظ میں مختصر سا جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیتے۔

جب بھی کسی سے ملتے، والہانہ انداز میں ملتے اور تبسم فرماتے رہتے

تھے۔ ہر ایک سے ملنے میں سبقت حاصل کرتے تھے۔ غرض مند حضرات کی غرض بھی پوری کر دیتے تھے۔ کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی بھی مجھ سے ناراض نہ رہے۔

احرام پوشی سے قبل آپ نہایت خوش ذائقہ اور نفیس خوراک استعمال کرتے تھے لیکن بعد از رنگین پوشی ذائقہ اور لذت غذا کو ترک کر دیا۔ اکثر ایسا بھی اتفاقاً ہو گیا، اگر کھانے میں نمک نہیں ہے اور گھر والے نمک کو ڈالنا بھول گئے تو سامنے رکھا ہوا بے نمک کھانا تناول کر لیا۔ جس وقت میزبان نے کھانا کھایا تو پتہ چلا کہ نمک سرے سے ڈالا ہی نہیں گیا تھا۔

آپؒ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کی تقلید کی۔ آپؒ کی تمام اولادیں آپ کی حیات ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئیں لیکن اف تک نہ کی اور تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ جب آپ کے صاحبزادے قاضی رشید احمد کا انتقال ہوا تو اس وقت آپؒ بمقام نڈالہ ریاست کپور تھلہ (بھارت پنجاب) میں قیام فرما تھے۔ خط کے ذریعے آپؒ کو انتقال کی خبر دی گئی۔ آپ کو کارڈ مل گیا۔ پڑھا اور بستر کے نیچے رکھ دیا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ تقریباً پندرہ بیس دن کے بعد آپؒ کے خادم فضل الٰہی وارثی نے حجرہ کی صفائی کی تو بستر کے نیچے سے دوسرے کاغذات کے ساتھ یہ کارڈ بھی ملا۔ خادم نے سرسری نظر خط پر ڈالی تو بڑے تعجب سے قاضی صاحبؒ سے تعزیت پیش کی تو آپؒ نے فرمایا "میاں کیا بتاتا"۔ خادم نے عرض کیا حضور اتنا بڑا المیہ اور ہم کو خبر تک نہ کی۔ فرمایا "جس نے پیدا کیا تھا اسی نے بلا لیا ہے۔ اس کے کام میں ہماری کیا مجال کہ دخل اندازی

کریں"۔

خاندان کے بچوں سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جب جب بھی گھر (سنگھوئی) تشریف لاتے۔ بچوں کے لئے تحفے تحائف ضروری اپنے ساتھ لاتے۔ انہیں گود میں بٹھا لیتے اور ان کے ساتھ بچوں کی سی باتیں کرتے۔

اکثر سیاحی میں رہتے۔ ایک مقام پر کم ہی زیادہ قیام فرماتے۔ آپؒ نے صرف قصبہ نڈالہ ریاست کپور تھلہ میں زیادہ عرصہ گزارا۔ اپنے قصبے سنگھوئی ایک عرصہ کے بعد تشریف لاتے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شب کے لئے تشریف لائے اور شب باشی مسجد میں کی اور واپس تشریف لے جاتے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل خاندان کے پرزور اصرار پر گھر پر تشریف لاتے لیکن وہ بھی بہت تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتے۔ اس کے بعد کھائی کوٹلی تشریف لے جاتے۔ وہاں چند دن قیام فرماتے۔ مہراللہ دین کے اصرار پر آپؒ نے اس کے مکاں پر قیام کرنا منظور کر لیا تھا اور اس نے آپؒ کے لئے ایک کمرہ خاص بھی وقف کر دیا تھا جو آج بھی موجود ہے۔ مہراللہ دین ہمیشہ تجرد رہے۔

نڈالہ میں آپؒ کا قیام تقریباً" چھتیس برس رہا۔ جس پلٹن میں آپ خطیب تھے۔ اسی پلٹن میں چودھری فضل الٰہی وارثی، چودھری امام الدین وارثی اور چودھری صاحب دین وارثی بھی ملازم تھے۔ چنانچہ یہ تمام برادران طریقت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہو کر سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔ ان ہی کی درخواست پر آپؒ نے نڈالہ میں کافی عرصہ تک قیام فرمایا۔ دورانِ قیام نڈالہ ہزاروں ہندو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور وارث پاک علیہ الرحمتہ کے منظورِ نظر ہوئے۔

ہر سال باقاعدگی سے سرکار عالم پناہؒ کا عرس منعقد پذیر ہوتا۔ مہاراجہ کپور تھلہ بھی آپؒ سے عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ اہلِ دیہہ نے ریاست کپور تھلہ میں ایک حجرہ آپؒ کے لئے بنوا دیا تھا۔ بعد میں ایک منزل مزید حجرہ کے اوپر تعمیر کروا دی۔ ایک خانقاہ اور مسجد بھی اس کے برابر تعمیر کر دی۔ تاکہ گاؤں والے اس سے علمی اور روحانی پیاس بجھا سکیں۔

شروع شروع میں ایک سکھ ٹھیکیدار موہن سنگھ قاضی اکمل شاہؒ کی سخت مخالفت کرتا تھا اور ہر طرح سے اذیت دینے کی کوشش کرتا تھا مگر چودھری فضل الٰہی وارثی، بابا ابراہیم وارثی، چودھری امام الدین وارثی و غیرھم اور دیگر اہلِ محبت کی کثیر تعداد دیکھ کر برملا کچھ نہ کہہ سکتا تھا لیکن درپردہ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس مسلمان فقیر کو یہاں سے نکالا جائے۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے موقع پر اہلِ دیہہ نڈالہ ایک شاندار جلوس کا اہتمام کرتے تھے جس میں قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کی قیادت ہوتی تھی۔ موہن سنگھ اس موقع پر تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک ایسے ہی موقع پر جلوس عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) جب روانہ ہوا۔ خانقاہ میں موجود بطخوں کے ایک جوڑے کو آپ کو موجود نہ پا کر پتھر مارے اور جس سے ایک مادہ بطخ مر گئی۔ جلوس کی واپسی پر قاضی صاحبؒ نے پوچھا کہ جوڑا بطخ کہاں ہے۔ خدام نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ موہن سنگھ کے بیٹے نے پتھر مار کر مادہ بطخ کو ہلاک کر دیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ "رفاقت توڑ دی"۔ اس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ چند دن کے بعد موہن سنگھ ٹھیکیدار کی اہلیہ کہیں گم ہو گئی اور کچھ دنوں کے بعد ان کا لڑکا فوت ہو گیا۔ اس وقت موہن سنگھ کی عقل ٹھکانے آ

گئی۔ پھر قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا طلب گار ہوا اور ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی۔۔۔۔۔ اور خادم بن گیا۔

موضع سرخ پور کا ایک بہشتی مہنگا نامی ماہ ربیع الاول میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم شریف کا انعقاد کرتا تھا اور ہمیشہ قاضی صاحبؒ کو دعوت دیتا تھا۔ ایک دفعہ سرکار قاضی صاحبؒ سرخ پور تشریف لے گئے۔

ایک ہندو راجپوت برائے سلام و نیاز قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور گزارش کی کہ میرا بیٹا بیمار ہے۔ باوجود علاج معالجہ کے صحت یابی کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ یہ سن کر قاضی صاحبؒ ان کے گھر تشریف لے گئے اور بیمار بچے پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور صحت کے لئے دعا فرمائی۔ آپؒ کی دعا سے چند روز میں بچہ صحت یاب ہو گیا اور آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ پھر بعد میں دیوی شریف چلا گیا اور آخر دم تک سرکار وارث پاکؒ کے قدموں میں سکونت اختیار کرلی۔

ایسا ہی ایک واقعہ اور ہے۔ مہاراجہ کپور تھلہ (سکھ خاندان) کے ایک انگریز دوست مہمان نے تمام علمائے کرام کی دعوت دی تھی کہ اگر علماء میں سے کوئی بھی عالم اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کی حقیقت مجھے سمجھا دیں تو اسلام قبول کرلوں گا۔ علمائے کرام نے بہت زیادہ کوشش کی لیکن انگریز صاحب مطمئن نہ ہوئے۔ آخر کار قاضی صاحبؒ سے رجوع کیا گیا۔ آپؒ نے نڈالہ کی جامع مسجد میں انگریز کی گفتگو سنی اور اس کے بعد قاضی صاحبؒ نے اپنا زیب تن لباس فقر پاک انگریز پر ڈال دیا۔ جب ان پر سے احرام پاک کا کپڑا علیحدہ کیا گیا تو نہ جانے اس کے کون کون سے مسائل حل

ہو چکے تھے۔

نڈالہ کا ایک عیسائی جو سرکار قاضی صاحبؒ سے خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا۔ حالانکہ وہ خود ایک مشہور ڈاکو تھا۔ اس کا نام اتا تھا۔ ہر وقت وہ قتل آمادہ رہتا تھا۔ اس کی پشت پناہی بھی ریاست کے بڑے بڑے زمیندار کرتے تھے۔ وہ اپنی ضرورت کے تحت ریل گاڑی میں بغیر ٹکٹ سفر کرتا تھا۔ ایک روز اتفاقاً سرراہ قاضی صاحب سرکارؒ سے ملاقات ہوئی۔ آنکھیں چار ہوئیں تو اک نگاہ میں کایا پلٹ دی۔ اور سب دنیا کا مال چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو گیا اور آپ کے آستانے پر آکر ہمیشہ کے لئے سر جھکا دیا۔

اور یہ حالت ہو گئی جو لوگ اس کا نام سن کر گھبراتے تھے اور اس پر لعن و تشنیع کرتے تھے۔ جلد ہی قاضی صاحبؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور داخل سلسلہ عالیہ وارثیہ ہوا۔ پاک و ہند کے بٹوارہ سے چند ہفتے پہلے قاضی صاحبؒ نے اتا کو آدھا احرام پوش بنا دیا اور فقیری نام "عبداللہ شاہ وارثی" تجویز ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات ہندو مسلم میں ایسی افراتفری مچی کہ عبداللہ شاہ وارثی قاضی صاحبؒ سے جدا ہو گیا۔ جب قاضی صاحبؒ بچتے بچاتے پاکستان پہنچے تھے۔ تقریباً دو ماہ بعد عبداللہ شاہ وارثی ؒ بھی پیچھے پیچھے حضرت قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ کی خدمت میں پہنچ گیا اور جب تک بقید حیات رہا۔ سرکار قاضی صاحبؒ کے قدموں سے الگ نہ ہوا۔۔۔۔۔ قاضی صاحب سرکارؒ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے پورا احرام دینے کی کوشش کی تو عبداللہ شاہ وارثی ؒ نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ لباس فقر حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا ہے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اگر قبلہ قاضی صاحب مجھے حکم دیں اور

مولوی تفضل حسین شاہ وارثی ؒ (جو اس وقت بقید حیات تھے) اپنے ہاتھوں سے احرام پہنائیں تو فقیر اس حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرے گا۔

فقیر عبداللہ شاہ وارثی ؒ نے اپنی وفات سے پہلے ایک وصیت کی تھی۔ نمبر ایک جنابِ فقیر قاضی عزت شاہ وارثی نماز جنازہ پڑھائیں اور نمبر دو' قاضی صاحب ؒ کے پائیں جانب دفن کریں۔ لہٰذا دونوں وصیتوں کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

۱۹۴۷ء میں قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ نے حج کا ارادہ کر لیا تو اس موقع پر اکثر احباب نے عقیدتاً ؒ حج کے اخراجات کی پیشکش کی۔ لیکن آپ ؒ نے نامنظور کیا۔ بعد میں آپ ؒ کے برادر اصغر الحاج حکیم قاضی محمد یوسف خاں صوبیدار مرحوم نے حج کے اخراجات کی پیشکش کی۔ آپ نے قبول فرما لیا لیکن رازدارانہ طور پر مولوی محبوب عالم پٹواری مرید جناب میاں محمد صاحب علیہ الرحمتہ (مصنف سیف الملوک) کھڑی شریف کی وساطت سے اپنا آبائی مکان اپنے بڑے بھتیجے مرزا محمد حسین نمبردار چک نمبر ۲۲۹ B - E بوریوالہ کے نام رجسٹری کروا دیا۔ یعنی فقیر نے اس کی پیشکش کو بھی نہیں ٹھکرایا اور اس کے احسان کا بدلہ بھی ادا کر دیا۔ حج کی ادائیگی کے بعد آپ واپسی پر براستہ ہند (دیوی شریف) بغرض حاضری سرکار وارث پاک ؒ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور تقریباً ؒ دو ماہ وہاں پر قیام رہا۔ دیوی شریف کے قیام کے دوران ایک واقعہ سرکاری حجام مسمی للن نے قاضی عزت شاہ وارثی کو سنایا کہ سرکار سیدنا وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کے زمانہ میں جناب قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ کا قیام دیوی شریف میں تھا۔ سرکاری حجام للن نے بیان کیا کہ میرے مکان کے متصل مکان میں ایک بڑی بی (مائی صاحبہ) رہتی تھی جس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ اس بڑی

بی صاحبہ پر قدرت کی طرف سے ایسی افتاد پڑی کہ اس کا اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا۔ بڑی بی صاحبہ سخت پریشان تھی۔ اسی اثنا میں قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ نمازِ فجر کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے کہ سرِ راہ بڑی بی صاحبہ کا مکان تھا۔ مکان کے اندر سے آہ و زاری کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ کے لئے بڑی بی صاحبہ کی پریشانی ناقابلِ برداشت تھی۔ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور مردہ لڑکے کا چہرہ دیکھا اور بے ساختہ کہہ دیا ---- ابھی تو لڑکا زندہ ہے --- لڑکا اسی وقت زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ آپ فوراً ؒ مکان سے نکل گئے اور بعد از ادائیگی نمازِ فجر سرکار وارث پاک علیہ الرحمتہ میں حاضری دینے کے لئے چلے گئے تو سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے دیکھتے ہی فرمایا "پنجابی حافظ! خدا کی رضا میں آئندہ دخل نہ دینا اور اب دیوی میں ہماری زندگی میں نہ آنا' تیرہ سال جنگل کی سیاحت کرنا اور کسی بستی میں نہ جانا"۔ حضرت قاضی صاحب ؒ پر ان ارشاداتِ عالیہ سے حالتِ جذب طاری ہو گئی اور آپ ؒ اسی وقت جنگل کی سیاحت کو نکل گئے۔ تیرہ سال کے بعد جب آپ دیوی شریف تکمیلِ ارشادات کے پہنچے تو اس وقت سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ علیل تھے اور آپ ؒ پر انتہائی نقاہت تھی لیکن حضرت قاضی صاحب ؒ کا حصہ محفوظ تھا۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے وصال کے وقت حضرت قاضی صاحب ؒ حاضر تھے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا وصال یکم صفر ۱۳۲۳ھ بہ مطابق اپریل ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ اس وقت قاضی صاحب ؒ پر جذب کی حالت طاری تھی۔ اسی حالت میں سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کو لحد میں رکھا گیا۔ پہلی جمعرات کے قل شریف پر آپ ؒ کی کیفیت میں قدرے کمی ہوئی تو حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثی ؒ نے امانت احرام پاک سرکار

عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا زیب تن فرمایا ہوا قاضی صاحبؒ کے سپرد کیا کہ "یہ آپؒ کے لئے سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے بطور امانت محفوظ رکھا ہوا تھا"۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد قاضی صاحبؒ نے بیالیس سال کی طویل مدت نڈالہ پیران کلیر شریف انبالہ مقامات پر قیام فرمایا۔

۱۹۴۷ء میں ادائیگی حج کے بعد جب آپؒ واپس دیوی شریف پہنچے تو بٹوارہ پاک و ہند پر ہندو مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے۔ آپؒ دیوی شریف سے انبالہ اور نڈالہ تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں تقسیم کا اعلان ہو گیا اور ہندو مسلم فسادات کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ ریاست کپور تھلہ سے مسلمان مہاجرین کے قافلے کیمپوں میں جمع ہونے لگے۔ آپؒ بھی ایک قافلہ کے ہمراہ مذکورہ ریاست سے جالندھر پہنچے۔ وہاں سے جس ریل گاڑی پر پاکستان کے لئے سوار ہوئے اس کے اندر ڈھائی تین ہزار مہاجرین سوار تھے۔ ریل گاڑی جہاں جہاں سٹاپ کرتی، ہندو سکھ ڈوگرے اور مرہٹے دھاوا بول دیتے اور مہاجرین کو لوٹتے اور قتل کرنا شروع کر دیتے۔ بعض سکھوں کا قاضی صاحبؒ سے بھی سامنا ہوا لیکن یہ کہہ کر چھوڑ دیتے کہ یہ تو کوئی سادھو سنت ہے۔ اسی طرح یہ ٹرین لٹتی لٹتی سات روز کے بعد لاہور کے پلیٹ فارم نمبر ۲ پر آ کر رکی۔ ایک دفعہ قاضی صاحبؒ نے فرمایا "تمام گاڑی میں صرف گیارہ زندہ لاشیں تھیں، جن میں ایک فقیر یہ بھی تھا"۔ فرمایا اس سفر میں ہم مکمل طور پر اللہ کے مہمان تھے۔ کچھ کھایا پیا نہیں۔ لاہور پہنچے تو ہم سیٹ پر حیرت زدہ بیٹھے تھے اور ہمارا احرام خون سے تر تھا اور چاروں طرف خوف اور کٹی ہوئی لاشیں تھیں۔

قصبہ نڈالہ سے روانگی سے قبل دیوی شریف چلے جانے کا خیال تھا مگر

اسی شب سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے فرما دیا کہ "حافظ پنجابی! آپؒ کو الگ ملک دے دیا ہے۔ پاکستان چلے جاؤ۔ ہم وہاں بھی موجود ہوں گے، فرق نہیں پاؤ گے"۔ اسی ارشاد عالی پر آپؒ نے پاکستان آنے کا ارادہ کر لیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی تمام ریل گاڑی کٹ گئی۔ لاہور پہنچ کر آپؒ سیدھے نئی انار کلی پیسہ اخبار سٹریٹ میں قمر الدین وارثی کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہاں پر میاں محبت شاہ وارثیؒ حضرت قاضی صاحبؒ کے لئے تقسیم سے پہلے ایک نشست گاہ وارثیہ بنوائی گئی تھی، قیام فرمایا کرتے تھے۔ یہاں پر آ کر پتہ چلا کہ سراج دین وارثی المعروف بہ شفقت شاہ وارثی قبلہ ابر شاہ وارثیؒ کا تمام خاندان بخیریت لاہور پہنچ چکا ہے۔ صرف قاضی صاحبؒ کا انتظار تھا، سو آپؒ بھی تشریف لے آئے ہیں۔ گھر پہنچے تو اس وقت آپؒ استراحت فرما رہے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو راستے کا سفر اور تمام حالات بتائے اور ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا کہ سرکار عالم پناہؒ ہمارے ساتھ ساتھ رہے۔ ہم نے حالات دیکھ کر عرض کر دی تھی کہ سرکارؒ موت کی یہ جگہ تو ٹھیک نہیں۔ لہٰذا سرکار پاکؒ نے لاج رکھ لی۔ کپور تھلہ میں آپؒ مائی صندل وارثیہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس تمام واقعہ کی تصدیق محمد بوٹا نمبردار چک R-6/133 ریاست بہاول نگر نے کی۔ جو کپور تھلہ سے لاہور تک ہمسفر رہا اور مائی صندل وارثیہ نے کی۔ جن کا وصال فیصل آباد میں ہوا۔

اس کے بعد آپؒ نے کسی مقام پر مستقل قیام نہیں فرمایا اور وصال تک آپؒ سیاحت میں رہے۔

حیرتؒ نگاہ یار نے نہ جانے کیا کیا

حیراں ہوں اب رہوں کہاں جاؤں کدھر کو میں

نہ تو اپنے گھر میں قرار ہے نہ تیری گلی میں قیام ہے
تیری زلف و رخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے
(میاں بیدم شاہ وارثیؒ)

راولپنڈی میں قیام

قاضی صاحبؒ جب راولپنڈی تشریف لائے تو صدر لال کرتی میں مائی صندل وارثیہ کے پاس قیام فرماتے تھے۔ دوران قیام شہر میں مقیم تمام محبان وارثیہ سے میل ملاپ رکھتے تھے اور کئی کئی روز تک روحانی محفلیں ہوتی رہتی تھیں۔ آج بھی وارثی ایسوسی ایشن بڑی لگن سے سلسلہ وارثیہ کی تبلیغ و اشاعت جاری رکھے ہوئے ہے۔

اسی طرح چھپر شریف داخلی چنگا بنگیال میں حضرت قاضی صاحبؒ گاہے بگاہے تشریف لاتے تھے۔ مولوی اکبر صاحب سکنہ موہڑہ نگڑیال کی حضرت قاضی صاحبؒ سے دیرینہ رفاقت تھی۔ انہیں کے توسط سے حافظ عبدالکریم صاحب نوشاہی قادری سجادہ نشیں نورد صلہ شریف سے بھی رابطہ بڑھا اور تاحیات جاری رہا۔

قاضی عزت شاہ وارثیؒ سے آخری ملاقات کا بیان

فروری ۱۹۴۸ء میں مجھے (قاضی عزت شاہ وارثی) کو اطلاع ملی کہ قاضی

اکمل شاہ وارثیؒ راولپنڈی میں خاں صاحب نواب خاں وارثی کے ہاں مقیم ہیں لہٰذا میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ دو چار روز ہمارے ہاں بھی چل کر قیام فرمائیں۔ چنانچہ فقیر کی درخواست قبول و منظور ہوئی۔ اور آپؒ فقیر کے ہمراہ ڈھوک قاضی تحت پڑی تحصیل راولپنڈی تشریف لائے۔ بعد دوپہر آپؒ غریب خانہ پر پہنچے۔ جد امجد حضرت قاضی غلام محی الدینؒ المعروف بہ مقبول بارگاہ غوثیہؒ سے والہانہ انداز میں ملے اور باباجیؒ سے فقیر کو ہدایت و ارشاد فرمایا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کا زیادہ خیال رکھیں۔

اسی شام بابا کریم بخش مرحوم اور مائی فیض بی بی نے پنڈ جھاٹلہ سے حاضر ہو کر دست بستہ گزارش کی کہ انہیں بھی خدمت کا موقع مہیا کیا جائے اور ہمارے گاؤں پنڈ جھاٹلہ تشریف لائیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ابھی تک ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں' دیکھا جائے گا۔

ابھی فقیر (عزت شاہ وارثی) کے پاس دو روز ہی گزرے تھے کہ حافظ عبدالکریم نوشاہی نور و صلہ اور میاں محمد زمان وارثی تشریف لائے اور قاضی صاحبؒ سے چھپر شریف ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ زاہد کی اجازت کے بغیر ہم نہیں جا سکتے۔ جب سکول سے چھٹی کر کے آئے گا تو آپ ان سے کہنا۔ چنانچہ میں جب سکول سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو سہ پہر کی چائے پر فقیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ چائے پینے کے لئے جا کر بیٹھا تو قاضی صاحبؒ نے مجھ سے اجازت چاہی تو فقیر نے عرض کیا کہ ابھی تو ہم لوگوں کا شوق بھی پورا نہیں ہوا۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ جلد ہی تشریف لے جائیں۔

ساجن بھکیا منگدے میرے وہڑے وچہ کھلو
میں کس کھ بدھ آکھاں کہ ساجن ودیا ہو
ساجن پریت لگا کیکے دُور دیس جن جاؤ
بسو ہماری ناگری ہم مانگیں تم کھاؤ

لیکن حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمایا "دیکھو! بیٹے حافظ صاحب نابینا ہیں۔ محض خلوص و محبت کی وجہ سے پندرہ کوس کا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں۔ محبت کا تقاضا ہے کہ فقیران کی چاہت کا لحاظ رکھے"۔

چنانچہ فقیر (عزت شاہ وارثیؒ) نے بھی بغیر کسی عذر کے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ اگلے دن اتوار کو صبح ناشتہ کرنے کے بعد تشریف لے جانے کی تیاری کر لی اور مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ لیکن طبیعت بے حد بیقرار تھی اور کسی کل چین نہیں پڑتا تھا۔ اس وقت قاضی صاحبؒ قبلہ کی صحت قابل رشک تھی البتہ پیشاب کی قدرے تکلیف تھی۔ فقیر کا دل چاہتا تھا کہ چند روز اپنے پاس رکھیں اور ان کا مکمل علاج کروں۔

اس تکلیف کے لئے میں کشتہ زمرد اور معجون زمرعونی کی چند خوراکیں بنا کر قاضی صاحبؒ کی نذر کیں۔ چونکہ حافظ صاحبؒ اپنے ساتھ گھوڑی لائے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ نہ تو قاضی صاحب اور نہ ہی حافظ صاحب گھوڑی پر سوار ہوئے، لہٰذا پیدل ہی روانگی ہو گئی۔ میں بھی اپنی سائیکل لے کر پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جہاں سے بھی اذنِ مراجعت ہو، سائیکل پر سوار ہو کر واپس آ جاؤں گا۔

ڈھول عنایت کے قریب سید حسین شاہؒ کا مزار ہے۔ وہاں پر حضرت

قاضی صاحبؒ نے حاضری دی اور پھر مجھے واپس جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ مگر میں نے مزید آگے جانے کے لئے اصرار کیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا چلو۔ اس کے بعد چلتے چلتے بگا شیخاں کے متصل شاہ حقاؒ کی خانقاہ تک پہنچ گئے۔ جہاں سے پھر قاضی صاحبؒ نے حکم فرمایا کہ واپس چلے جاؤ۔ لیکن دل جدا ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ تھوڑا اور آگے بڑھے۔ اس تمام راستے میں سرکار عالم پناہؒ کا ذکرِ خیر ہوتا رہا اور ہر چند منٹ کے بعد آہ سرد کے ساتھ مندرجہ ذیل شعر پڑھتے رہے۔

وارثاؒ بنما جمالِ خویشتن
رحم کن برما بحق پنجتنؒ

سنگھوئی کی وجہ تسمیہ! قبل از عہد مسلمانی صرف قوم سنگھا یہاں پر آباد تھی۔ قوم سنگھا وہ قوم ہے جو پانی کا پتہ قبل از کنواں کھودتے کے دیتے ہیں اور واقعی ایسا ہوتا ہے۔ کنواں کھودنے سے وہاں پانی نکل آتا ہے۔ پھر مسلمانوں کے دور حکومت میں گکھڑ، کھتری اور برہمن وغیرہ اقوام بھی دریائے جہلم کے کنارے خوش کن آب و ہوا اور پانی وافر دیکھ کر آباد ہو گئیں تھیں۔ راجہ لعل سنگھ وزیر اعظم سلطنت خالصہ اسی قصبے کا رہنے والا تھا۔ حویلی اور باغیچہ اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور ایک سرائے پختہ جانب غرب سڑک پنڈ دادن خاں پر بنائی اسی کی ہے۔ زیادہ تر یہاں اقوام گکھڑ، بکھیال آباد ہیں۔

بعد میں فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے بھی اس وقعہ کی تصدیق فرمائی تھی کہ سرکار عالم پناہ وارث پاکؒ سنگھوئی ضلع جہلم تشریف لے گئے تھے۔ قصبہ سے دریا کی طرف ایک باغ تھا۔ اس میں ایک درخت املتاس کے نیچے آپؒ نے قیام فرمایا اور تین روز وہاں رہے۔ دن کو حافظ رکن عالمؒ کے ہاں قیام فرماتے اور شب باشی کے لئے واپس باغ میں تشریف لے جاتے۔ جناب اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے ہمارے مکان کا نقشہ حدود اربعہ بھی بتا دیا تھا کہ اونچائی پر ایک مکان تھا، پتھر کی سیڑھیاں تھیں اور اس کے باہر ایک بڑی بیٹھک تھی۔

(روایت - فقیر عزت شاہ وارثیؒ)

کلیجہ تھام کے ہم دیکھتے ہیں ایک نظر
وہ دُور چہرے سے اپنے نقاب کرتے ہیں

عمر بھر یوں دیکھنے کو دور رہے
پر ہم اُن کے وہ ہمارے ہو رہے

جی ٹی روڈ چاہ بنگلہ سالی کے پاس گزر کر آپؒ توپ مانکیالہ تک پہنچ گئے۔ تقریباً ایک میل آگے جا کر ایسا راستہ آگیا جہاں بڑے بڑے ٹیلے اور کھڈیں تھیں، جہاں پر سائیکل لے کر گزرنا محال تھا۔ اس لئے بامر مجبوری اذنِ مراجعت پر عمل کرنا پڑا۔ باچشم تر حضرت قاضی صاحبؒ کو خدا حافظ کہا اور آنکھوں سے جدا ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے ایک ٹیلے کی اوٹ میں جاتے جاتے اشارہ فرمایا واپس جاؤ۔ عجیب کیفیاتی انداز اور حیرت زدہ صورت پیدا ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد موسم سرما کی برسات شروع ہو گئی تھی اور خدا کی قدرت مسلسل تیرہ روز تک پانی برستا رہا۔

ایک دفعہ حضرت کے چھوٹے بھائی نے نواب خاں وارثی سے پوچھا کہ تم بھی کسی کے مرید ہو تو انہوں نے اپنی بیعت کا واقعہ بیان کیا کہ جبل پور (بھارت) میں ایک ٹرین کے سفر کے دوران میں اتفاقاً قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے ملاقات ہوئی۔ میں آپ کی شخصیت سے ایسا متاثر ہوا اور عرض کیا کہ

جناب میرے ساتھ جبل پور تشریف لے چلیں تو آپؒ نے منظور کر لیا اور میرے ساتھ جبل پور تشریف لے گئے۔ ایک دن معمول کے مطابق سیر کو نکلے تو سرِ راہ ایک مندر کا کھلا دروازہ دیکھ کر اندر جا گھسے۔ اندر جا کر دیکھا کہ پنڈت بھگوان کی پرارتھنا اور پوجا پاٹ میں مصروف ہے۔ پنڈت نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک مسلمان فقیر سامنے کھڑا ہے۔ اسی اثنا میں اور بھی کئی پنڈت جمع ہو گئے اور قاضی صاحبؒ سے کہنے لگے کہ آپ یہاں بغیر اجازت کیوں چلے آئے۔ اس سوال پر قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اپنے بھگوان کی پوجا پاٹ۔ اس کے بعد قاضی صاحبؒ نے سوال کیا کہ آیا تمہارا بھگوان گفتگو بھی کر سکتا ہے اور اگر بھگوان بول سکتا تو یہ سمجھیں تمہارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندو پنڈتوں نے بیک زبان ہو کر کہا اس معاملہ میں ہم آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قاضی صاحبؒ اپنے ڈیرے پر واپس تشریف لے گئے اور ہندو پنڈت بھی آپ کو تلاش کرتے کرتے ڈیرے پر پہنچ گئے اور کہا کہ آپؒ نے ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔ اس معاملہ میں آپؒ اتوار کے روز ہمارے ساتھ مناظرہ کریں۔ کہا اور چلے گئے۔ لہٰذا اتوار کے روز فوجی چھاؤنی کے پریڈ گراؤنڈ میں تماشا دیکھنے کے لئے لوگ اکٹھے ہو گئے اور حضرت قاضی صاحبؒ بھی تشریف لے گئے اور بہت سے پنڈت بھی آ گئے اور اپنے ساتھ ایک بُت بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ میدان میں اکٹھے ہوئے تو قاضی صاحبؒ نے بیک زبان ہو کر کہا کہ آپ اس بُت سے گفتگو کریں۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ پنڈت جی! یہ بُت تم سب کا بھگوان ایشور

ہے اس لئے پہلے تم اس کے ساتھ گفتگو کرو۔ پنڈتوں نے بہت منتر پڑھے لیکن بت صاحب بولنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ آخر کار پنڈتوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بعد میں قاضی صاحبؒ نے بُت سے فرمایا کہ میرے اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑا ہو جا۔ تماشائی یہ منظر دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے۔ قاضی صاحبؒ قبلہ وہاں سے چپکے سے نکل کھڑے ہوئے تو بت بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپؒ نے پیچھے مڑ کر بت کے ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا تم جھوٹے ہو اور بت ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اردگرد کے لوگ کچھ زیادہ ہی زیرِ سایہ رہنے لگے۔

اس واقعہ کو سن کر حضرت قاضی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی صوبیدار محمد یوسف صاحب نے کہا کہ یہ فقیر شخصیت میرے بڑے بھائی ہیں۔

ایک روایت ہے جب قاضی صاحبؒ سلطان العارفین سرکار باہو رحمتہ اللہ کے مزار اقدس کے سجادہ نشین سائیں نور محمدؒ صاحب سے بیعت سے مشرف نہ ہو سکے تو پھر اس کے بعد حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو کہ موضع عالم پور کوٹلہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے پاس تشریف لے گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب مصنف تفسیر یوسف علیہ الرحمہ (احسن القصص) بھی تھے۔ شاید حضرت قاضی صاحبؒ کا خیال آپؒ سے بیعت سے مشرف ہونے کا ہو۔ مگر یہ روایت مولوی محبوب علی پٹواری قادری قلندری سے ہے (واللہ علم بالصوب)۔ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

مولوی غلام رسول صاحبؒ کا کلام تفسیر یوسفؒ بھی بہت زیادہ ترنّم سے پڑھا کرتے تھے۔

آخری وصیت

وصال سے ایک دن قبل اہل چھپر شریف نے حافظ عبدالکریم قادری نوشاہیؒ۔ جو بیماری کے وقت آپ کے پاس موجود تھے اور خدمت کرتے تھے سے گزارش کی آپ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کریں کہ بعد از وصال مزار اقدس کس جگہ تعمیر کیا جائے۔ لہٰذا جب آپؒ کی خدمت بابرکت میں مزار کے متعلق درخواست پیش ہوئی تو آپؒ نے فرمایا کہ مجھے بعد از وصال قصبہ دیوی شریف ضلع بارہ بنکی یوپی بھارت حضرت وارث عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے دربار میں پہنچا دیں تو اس جواب پر دوبارہ حافظ عبدالکریم نے استفسار کیا کہ حضرت صاحب دیوی شریف تو بھارت میں ہے وہاں پر آپؒ کو لے جانا ایک بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ تو قاضی صاحبؒ نے دوبارہ زبان گوہر فشاں سے فرمایا "اونہہ ہندوستان میں ہے' ہندوستان میں رہ گیا"۔ ایسا نہیں ہو گا ہندوستان میں نہیں رہے گا' کبھی پاکستان بنے گا۔ اس کے بعد حافظ عبدالکریم نے استفسار کیا کہ آپؒ کی خدمت میں دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ حضورؒ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ تجویز فرما دیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا "جہاں ہم اور آپ ملتے رہیں"۔ حافظ عبدالکریمؒ صاحب نے پھر دریافت کیا۔ اگر سنگھوئی والے آ جائیں تو پھر قاضی صاحبؒ نے فرمایا "کہ ان کا بھی حق ہے" اور میرے مزار کی

وہ درویش انتظام و خدمت کرے جس میں قوتِ برداشت ہو چھپر شریف کے قیام کے دوران قاضی صاحبؒ کو پیشاب کی مزید تکلیف ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی مرض احتلاجِ قلب بھی شروع ہو گیا۔ خدام نے ہر علاج کے لئے کوششیں کیں مگر آپؒ نے علاج معالجے کو منظور نہ فرمایا اور نہ ہی قبول کیا اور مسلسل یہی فرماتے رہے کہ علاج اب بیکار ہے۔

مندرجہ بالا حالات سات مارچ کے ہیں۔ اس کے بعد آٹھ مارچ کو مزاج اقدس صبح کے وقت زیادہ تر اچھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود آخر شب چار بج کر پندرہ منٹ پر سرکار عالم پناہ حضرت وارث علیہ الرحمتہ کا قل شریف پڑھا گیا اور سلام و نیاز پیش کیا گیا۔ سلام و نیاز کا نذرانہ نہایت عقیدت و محبت سوز و گداز کے انداز میں پیش ہوا۔ جن کی سماعت سے حاضرین محفل میں ہر آنکھ اشکبار ہوئی اور رقت کی کیفیاتی صورتیں پیدا ہو گئیں۔

لہٰذا تمام دن بھی آپؒ کی طبیعت زیادہ تر خراب ہی رہی مگر شام کے وقت اور زیادہ طبیعت خراب ہو گئی۔ تکلیف کا اظہار صرف چہرہ اقدس سے ہوتا تھا۔ اسی حالتِ کرب میں آپؒ نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ "سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ تشریف لا رہے ہیں" اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔ جناب حکیم عبدالرحیم صاحب نے حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا مرقع شریف منگوا کر چہرہ اقدس کے سامنے پیش کیا۔ مرقع شریف کی زیارت فرمائی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

---انا للہ وانا علیہ راجعون

حضرت قاضی صاحبؒ کے وصال کے وقت موسم سرما کی برسات شروع تھی۔ چھپر شریف کے محسن حضرت قاضیؒ صاحب کے خاندانی لواحقین سے جان پہچان بھی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے ایسے میں حضرت قاضی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی کے پاس سنگھوئی میں برستے پانی میں ایک شخص کو روانہ کر دیا۔ سنگھوئی میں وصال کی اطلاع ملتے ہی حضرت قاضی صاحبؒ کے بھتیجے قاضی عزیز احمد المعروف بہ فقیر عزت شاہ وارثی مہر اللہ دین نمبردار اور بہت سے آپؒ سے عقیدت رکھنے والے نالہ کہان اور نالہ کانسی تیر کر بڑی مشکلوں سے چھپر شریف پہنچے اور نماز جنازہ میں شرکت ہو گئی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کو چھپر شریف کے ایک پرانے قبرستان میں امانتاً" دفن کر دیا گیا۔ آئندہ پیش آنے والے حالات اور وصیت کے مطابق صوبیدار محمد اکرم وارثیؒ کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحبؒ کے چہلم پر والد مکرم اور ہم (قاضی عزت شاہ وارثی) تمام برادراں کے ہمراہ چھپر شریف پہنچے اور راقم الحروف (قاضی عزت شاہ وارثی) کی رائے تھی کہ حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے جسد مبارک کو سنگھوئی لے جائیں اور حضرت صاحبؒ کا مزار اقدس وہاں تعمیر ہو گا۔

جب قاضی صاحبؒ کے قل شریف کا انعقاد ہوا۔ قل شریف کی محفل میں حضرت فقیر حیرت شاہ وارثیؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا "اے اے یہ کیا ہو رہا ہے"۔ فقیر حیرت شاہ وارثیؒ نے مزید فرمایا کہ "فقیر جہاں وصال کرتا ہے اسی جگہ پر انہیں سپرد خاک کیا جاتا ہے۔ انہیں کون لے جا سکتا ہے"۔ آپؒ کا فرمان حرفِ آخر تھا۔ چہلم شریف بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ انتظام

میاں فقیر عبداللہؒ وارثی اور اہل دیسہ چھپر شریف کا تھا۔ آئندہ حالات کے پیش نظر ایک کمیٹی کی طرح و بنیاد رکھی گئی اور سالانہ عرس پاک کے لئے سات اور آٹھ مارچ کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔

مزارِ اقدس کی تعمیر و بنیاد اور انتظام

چھپر شریف تحصیل و ضلع گوجر خاں میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ آب و ہوا نہایت گرم مرطوب اور زمین زرخیز اور پیداوار دینے والی ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت خلیق اور ملنسار ہیں۔ عرس کے موقع پر تمام گاؤں خادم بن کر وارثی مہمانوں کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر محسوس کرتا ہے۔ اردگرد کا علاقہ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بہت زیادہ ارادتمند ہے۔ بلکہ اکثر لوگ داخل سلسلۂ وارثیہ ہیں۔ یہاں پر ایک وارثی مدرسہ کا بھی انتظام ہے جس میں اہل دیسہ کے بچگان دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

سب سے پہلے چھپر شریف کے باشی اور معزز صوبیدار محمد اکرم مرحوم جو حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے بچپن ہی سے عقیدت مند تھے۔ مزار اقدس کے منتظم ٹھہرے اور ہر ایک آنے والے عقیدت مند کو جو مزارِ اقدس پر حاضری دینے آتے تھا کے خورد و نوش اور شب باشی کا انتظام کرتا تھا اور حضرت صاحب کے ماہانہ اور سالانہ اعرائس پاک وارثیہ کا اہتمام و انتظام بھی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک برادرِ طریقت و نسبت مسمی راجہ عبدالقیوم مرحوم بھی ان کے ساتھ قدمے سخنے اور دامے درمے تعاون کرتے تھے۔ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے اس گاؤں میں اپنی حیات کے چند سال گزارے تھے مگر

ان چند سالوں میں اہل دیسہ کو خلوص و محبت کا درس دے گئے تھے اور ان میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس وقت کے لوگ بھی ایسے غریب پرور فقیروں کے قدموں میں بیٹھنا بھی اپنے لئے گناہوں کا کفارہ سمجھتے تھے۔ بقول

ع صحبت صالح ترا صالح کند

لوگوں کی بھی چاہت ہوتی ہے کہ کوئی نیک خو بزرگ شخصیت ان کی رہنمائی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص کرم ہوتا ہے جب کسی بستی میں درویش کے قدوم مبارک آئیں۔ ہمارے حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا ایک کھلا ہوا فرمان ہے، فقیر جس بستی میں رہے یک رنگ رہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا وصال پاک مسمی سائیں محمد زمان کے مکان پر ہوا۔ سائیں صاحب مرحوم درویش صفت اور نیک خو شخص تھے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا نادیدہ عاشق تھا۔ ان کو جو عشق حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ درویش جس قسم کے فرائض کسی اپنے عقیدت مند کے لئے عائد کرتا ہے۔ وہ اسے فرض منصبی سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ جیسے کہ مسمی حکیم عبدالرحیم قادری نوشاہیؒ جو حضرت کے قدیم احباب میں سے تھے۔ مزار اقدس کی آمدنی اور اخراجات کے فرائض ادا کرتے تھے اور یہ بھی ایک بے لوث خدمت تھی۔ یہ ان کی خدمات کا صلہ ہے کہ حضرت پاکؒ کے ذکر خیر کے ساتھ ان کا نام آتا ہے۔ حکیم کا خطاب بھی حضرت صاحبؒ نے عطا فرمایا تھا۔ بعد میں اسی نام سے مشہور و معروف ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد صوبیدار محمد اکرم صاحب خادم خاص اپنا تمام انتظام

حکیم عبدالرحیم نوشاہی کے سپرد کر کے انگلینڈ تشریف لے گئے۔ ایک مدت تک وہاں رہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے آستانے کی تمام زمین انہیں کی ملکیت تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑے لڑکے سلیم وارثی کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا تو اپنی اہلیہ کو پیغام بھیجا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کے مزار اقدس کے اردگرد جتنا رقبہ میری ملکیت ہے وہ مزارِ اقدس کے نام بیع کر دیں۔ لہٰذا وسیع و عریض رقبہ دربار وارثی کے نام بیع کر دیا گیا۔ میں (قاضی عزت شاہ وارثی صاحب) نے عالمِ رویا میں دیکھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ فلاں جگہ صوبیدار محمد اکرم وارثیؒ کی قبر کے لئے نشان دہی کرتا ہوں اور ان کے خاندان کے کسی ایک فرد کو بتا دینا اور اس کے ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس بات کو کسی سے نہ کہنا۔ یہ راز اپنے تک محدود رکھیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تم (قاضی عزت شاہ وارثی) یہاں پر موجود نہ رہو۔ لہٰذا صبح اٹھ کر میں نے سرکار قاضی صاحبؒ کے ایک قدیم خادم راجہ عبدالقیوم مرحوم کو دربار میں طلب کیا اور اس کو عالمِ رویا کا تمام واقعہ سے لفظ بہ لفظ آگاہ کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے تاکید کر دی کہ اس راز کو کسی سے نہ کہنا۔ وعدہ ہو گیا۔ اس عالمِ رویا کے واقعہ کے دو سال بعد اطلاع مل گئی کہ صوبیدار محمد اکرم وارثی انگلینڈ میں اس دارِ فانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے ہیں اور ان کی آخری وصیت تھی کہ مجھے انگلینڈ ہی میں بعد از وصال دفن کر دینا مگر وارثی برادران کوشش کر کے ان کی میت کو صندوق میں بند کر کے چھپر شریف لے آئے اور میں ان دنوں اتفاق سے سانگھڑ علاقہ نواب شاہ سندھ گیا ہوا تھا۔ جب میری واپسی ہوئی تو گاؤں میں آ کر پتہ چلا کہ صوبیدار محمد اکرم وارثی کی میت انگلینڈ

سے جب آ گئی تھی تو اس کو حسب فرمان سرکار پاکؒ نشان زدہ جگہ پر سپرد خاک کر دیا گیا۔ **انا للہ وانا علیہ راجعون**

۲۲ اگست ۱۹۵۹ء میں حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے احرام پوش فقیر حضرت پنڈت الف شاہ وارثی چھپر شریف تشریف لائے۔ اس وقت مزار اقدس حضرت قاضی صاحبؒ کا ایک چاردیواری اور درمیان میں حضرت صاحبؒ کا مرقد منور تھا پر مشتمل تھا۔ آپ نے (پنڈت صاحبؒ) فرمایا کہ مجھے سرکار عالم پناہ وارث پاکؒ نے بھیجا ہے اور آپؒ نے فرمایا ہے کہ حافظ اکمل شاہ وارثیؒ سے ملیں اور پھر کر آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ "ہم نے پاکستان میں ایک اور دیوئی شریف بنا دیا ہے"۔ اس کے بعد چند مہینوں کے بعد میں دیوئی شریف

○ فٹ نوٹ نمبر۱: اس وقت پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے ہر سال ایک جماعت زائرین کی زیر قیادت جناب منور شاہ وارثی المعروف بہ اختر میر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ / سپریم کورٹ دیوئی شریف ضلع بارہ بنکی بھارت جاتی تھی۔ یہ جماعت زاہرین (وارثیاں) متواتر ۱۹۶۴ء تک جاتی رہی۔ اس کے بعد حالات کچھ ایسے ہی ہو گئے تھے۔ پھر یہ قافلہ نہیں گیا۔

○ فٹ نوٹ نمبر۲: فقیر عبداللہ شاہ وارثیؒ مزارِ اقدس کی تعمیر کے لئے اپنے سر پر پتھر رکھ کر لاتا اور معماروں کے ساتھ کام کرتا۔۔ لنگر کے ساتھ آستانہ عالیہ پر تجوید القرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء میں میاں عبداللہ شاہ وارثیؒ کا وصال ہو گیا تو بعد میں مزار شریف کی تولیت کا سوال پھر پیدا ہوا۔ احباب اور فقرا کے باہمی مشورہ سے قاضی عزیز احمد وارثی المعروف بہ قاضی عزت شاہ وارثی کو آستانہ عالیہ وارثیہ کا نظام انتظام سپرد کیا گیا۔

قاضی عزت شاہ وارثی حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ کے دستِ حق پر دیوئی شریف میں داخل سلسلہ وارثیہ ہوئے اور بعد میں مجھے عبداللہ شاہ وارثیؒ کے قل شریف کے موقع پر حضرت قبلہ فقیر حیرت شاہ وارثیؒ چھپر شریف تشریف لائے تھے اور انہوں نے اپنے دست مبارک سے فقیر عزت شاہ وارثی

حاضری کے لئے گیا تو اس حاضری میں بھی فقیر پنڈت شاہ وارثیؒ نے میری رہبری فرمائی اور آستانہ پاک میں مجھے پیش کیا گیا اور دست بستہ درخواست پیش کی کہ حضور حافظ جیؒ آ گئے ہیں۔ کرم اور کرم فرمایئے اور میں (پنڈت الف شاہ وارثیؒ) ان کا نصف احرام مکمل کروں۔ اس کے بعد مجھے پنڈت صاحبؒ نے فرمایا کہ سرکار عالم پناہؒ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا۔ یہی تمہارا سرمایہ ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ آپ کو سب کچھ مل جائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خادم وہی ہے جو صرف خدمت کو اپنا شعار بنائے اور وارثی برادران کا خیال رکھے۔

کی احرام پوشی فرمائی اور "عزت شاہ وارثی فقیر" نام تجویز فرمایا۔

اس کے بعد آستانہ عالیہ کی تعمیر و ترقی شروع ہو گئی اور شب و روز محنت مشقت کر کے اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ میں مزار اقدس مسجد لنگر خانہ، درسگاہ، محافل کے لئے سماع خانہ اور حجرے وغیرہ تعمیر کروا دئے۔ قاضی عزت شاہ وارثی نے خداداد عطیہ تعمیری ذہن پایا ہے۔ موجودہ دور میں سلسلۂ عالیہ وارثیہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام بڑی محنت اور لگن سے کر رہے ہیں۔ دربار عالیہ میں لنگر خانہ جاری ہے اور ہر آنے والے وارثی کو باقاعدگی سے کھانا ملتا ہے۔ دربار شریف میں ایک جامع مسجد تعمیر ہے جس میں درس و تدریس کا کام جاری و ساری ہے اور بچوں کو قرآن پاک، حدیث، نماز، روزہ کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس مادیت کے دور میں دینی تعلیم بہت ضروری خیال کرتے ہوئے اس دینی مدرسے کو قائم کیا گیا ہے۔